فون نمبر: 35863260 35862956 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532 قیمت فی پرچہ-/10 روپے

Email: centralanjuman@yahoo.com

جلد نمبر 99 | 15 شوال تا 14 ذوالقعدۃ 1432 ہجری یکم ستمبر تا 30 ستمبر 2012ء | شمارہ نمبر 17-18

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنی چاہیے

وظائف کے ساتھ خواہش کرنا کہ دُنیا مل جائے بُت پرستی ہے

ایک درویش حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے ذکر کیا کہ پہلے میں بہت وظائف پڑھتا تھا اور مجھ پر فتوحات کا دروازہ کھلا تھا اور آمد ہوتی تھی مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ حالت جاتی رہی۔ اب باوجود بہت وظائف پڑھنے کے کچھ نہیں آتا۔ کوئی ایسا طریق بتلائیں کہ پھر وہ بات شروع ہو جائے۔

حضرت صاحب نے فرمایا: ''فتوحات وغیرہ مقاصد کو مدِ نظر رکھنا ہماری شریعت کے نزدیک شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ کی خاطر کرنی چاہیے۔ اس میں کسی اور بات کو نہ ملاؤ اور نہ کوئی نیت رکھو۔ عمل صالح وہ ہے جس میں کوئی فساد نہ ہو۔ اگر انسان کچھ دین کا بننا چاہے اور کچھ دنیا کا بننا چاہے تو یہ محض ایک فساد ہے۔ ایسی حالت سے بچنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا۔ عمل صالح وہ ہے جو محض خدا تعالیٰ کے واسطے ہو۔ پھر خدا تعالیٰ اپنے بندے کی پرورش آپ کرتا ہے اور اس کے واسطے گذارے کی صورتیں خود بخود ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ انسان کے واسطے مناسب نہیں کہ اپنی عبادت کے وقت ایسی باتوں کا خیال دل میں لائے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رزق آسمان پر ہے۔ دیکھو جب ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ محبت رکھتا ہے تو اس میں بھی خالص محبت وہ سمجھی جاتی ہے جس کے درمیان کوئی غرض نہ ہو۔ اصلی محبت کا نمونہ دنیا کے اندر ماں کی محبت میں قائم ہے کہ وہ اپنے بچے سے کسی غرض کے واسطے محبت نہیں کرتی بلکہ وہ محبت طبعی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان نرم رفتار سے خدا تعالیٰ کی طرف چلتا ہے تو خدا تعالیٰ دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے جب انسان کا دل خالص ہو جاتا ہے تو پھر دنیا کچھ چیز نہیں وہ تو خود بخود خدمت کرنے کے واسطے تیری ہو جاتی ہے لیکن وظائف کے ساتھ خواہش کرنا کہ دنیا مل جاوے یہ ایک بُت پرستی ہے اور اس سے سالک کو سخت پرہیز درکار ہے۔ جب خدا مل جاوے تو پھر دنیا کچھ شئے نہیں جو لوگ دنیا کے پیچھے پڑتے ہیں دُنیا ان سے بھاگتی ہے اور جو دنیا کو چھوڑتے ہیں دنیا خود بخود ان کے پیچھے آتی ہے۔ (پیغام صلح ۱۷ ستمبر ۱۹۶۹ء)

منظوم کلام دَر عشقِ قرآن

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

نُورِ فُرقاں ہے جو سب نُوروں سے اجلیٰ نِکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نِکلا

حق کی توحید کا مُرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمہ اصفیٰ نِکلا

یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اِک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نِکلا

سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عِرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نِکلا

کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نِکلا

ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نُور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّر بیضا نِکلا

زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دُنیا میں
جن کا اس نُور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نِکلا

☆☆☆☆

جمال و حُسنِ قرآں نور جانِ ہر مُسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فِکر کر دیکھا
بھلا کیوں کر نہ ہو یکتا، کلامِ پاک رحماں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبادت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیوں کر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

بنا سکتا نہیں اِک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیوں کر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے، غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

خطبہ عید الفطر

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بمقام جامع دارالسلام، لاہور

ترجمہ: ''اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی ہو جاؤ''

(سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲۱)

آج عید الفطر کا دن ہے۔ ایک ماہ کے مجاہدہ (رمضان) کے بعد یہ ایک خوشی کا دن ہمارے لئے منانے کے لئے رکھا گیا ہے اور اللہ سے اسی دعا سے میں شروع کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام پاکستان کو اس کے تمام مذاہب اور فرقوں کو اپنی حفاظت عطا فرمائے اور ہر ظالم سے ہر ایک پاکستانی، ہر ایک مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین

اَلنَّا سُ کا مفہوم

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔ یہ قرآن کریم کے احکامات میں سے اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے لئے پہلا حکم ہے۔ **اَلنَّا سُ** کا مادہ ا،ن،س ہے۔ **اَلنَّا سُ** کے مفہوم میں لغت کے حوالہ سے **''اَنَس''** کا لفظ آتا ہے یعنی کہ وہ جس کا تعلق دیکھنے اور محسوس کرنے کے ساتھ ہو۔ **اِیْنَا سٌ** یعنی کسی چیز کی معرفت اور ادارک حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے اور ''اِنْسٌ'' خاص دوست یا خاص رفیق کو کہتے ہیں۔ اس لئے اگر ان تین پہلوؤں کو جو **اَلنَّا سُ** کے ساتھ وابستہ ہیں ان سے نتیجہ اخذ کیا جائے تو وہ یوں ہو سکتا ہے کہ انسان وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حس عطا فرمائی اور وہ محسوس بھی کر سکتا ہے اور دیکھ بھی سکتا ہے اور اس بناء پر وہ اپنے اچھے بُرے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے، اللہ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اور اس طرح اس کے خاص دوست اور خاص رفیق بننے کی جو خصوصیت اس میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔

جب **اَلنَّا سُ** کہہ کر پکارا جائے تو اُردو میں ہم کہتے ہیں ''اے لوگو!'' اس سے پورے معنی ادا نہیں ہوتے لیکن اگر ہم **اَلنَّا سُ** کے مفہوم کے حوالہ سے سوچیں تو جب انسانوں کو **اَلنَّا سُ** کہہ کر مخاطب کیا جا رہا ہے تو اس حیثیت سے کیا جا رہا ہے کہ تمہارے اندر میں نے وہ طاقت رکھی ہے جس کو تم استعمال کر کے اپنی حس اور سمجھ کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے مجھے پا سکتے ہو اور میری قربت حاصل کر سکتے ہو اور میرے **عبد** بن سکتے ہو۔

عبد کا مفہوم

عبد کا مطلب عام طور پر عبادت اور بندگی لیا جاتا ہے اور بہت نمازیں پڑھنے کو عبادت سمجھا جاتا ہے۔ عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور عبادت اس حالت کا نام ہے کہ جس میں جو بھی کیا جائے وہ اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے اور جو بھی چھوڑا جائے وہ اللہ کی رضا کے لئے چھوڑا جائے۔ اسی لئے قرآن کریم جو ایک مکمل ہدایت نامہ ہے اس میں 30 پاروں کے اندر 630 سے زائد احکامات ہیں جن پر عمل کرنا تمام مسلمانوں کا فرض بنتا ہے بلکہ انسانیت کا فرض بنتا ہے اور ان میں ایک چھوڑ دینا بھی خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رحیم ہے، غفور ہے وہ ایک بھی اس میں سے قبول کر لے تو وہ اس کی نجات کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبدیت کا اصلی تقاضا یہ ہوگا کہ انسان ہر گھڑی، ہر وقت ایسے گذارے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے اسے گذار رہا ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرا پورا دن، پوری رات سجدے میں گذرتی ہے۔ اب اگر ہم دیکھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسجد میں، کسی کمرے میں، کسی جانماز کے اوپر ہر وقت سجدے میں تو نہیں پائے جاتے تھے اس کا مطلب یہی ہے

کہ میں اللہ تعالیٰ کا مکمل عبد ہوں اور میری ہر چیز، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، ہر حرکت اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے۔ اور اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم انسانوں کے لئے ایک عبدیت کا معیار بن گیا، اسی پر ہم نے چلنا ہے اور یونہی انسان کی تخلیق کا جو مقصد اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہ پورا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ایک ہی مقصد قرآن کریم میں بتایا ہے کہ: **''ہم نے جنوں کو اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''** اس لئے وہ مقصد ایک ہی ہے جو انسان جہاں پیدا ہوتا ہے وہ ایک مقصد لے کر آتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا **عبد** بن جائے اور اُسی کی عبدیت کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرے۔

عبادت کے ظاہری طریقے جو ہم جانتے ہیں ان میں نماز، زکوۃ، حج، صدقات، روزے رکھنے ہیں۔ یہ سارے ہماری سمجھ میں آتے ہیں کہ ہم اگر اللہ کے عبد ہیں تو ہمیں یہ چیزیں کرنی چاہئیں لیکن عبدیت کا تقاضا اس وقت پورا کریں گی جب ہم یہ تمام چیزیں بغیر دکھاوے کے اور صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے ادا کریں ورنہ لیبل تو لگ جائے گا، لوگوں میں تعریف ہو جائے گی، ہمیں لقب مل جائیں گے، لوگ ہمیں حاجی بھی کہیں گے، تہجد گذار بھی کہیں گے، نمازی بھی کہیں گے، سخی بھی کہیں گے اور روزے دار بھی کہیں گے لیکن یہ چیز دماغ سے نہیں نکلنی چاہیے کہ کیا یہ روزہ دار اُسی طرح جھوٹ بول رہا ہے، اسی طرح غیبت کر رہا ہے، اُسی طرح لوگوں کی تباہی کے منصوبے بنا رہا ہے، اُسی طرح رشوت لے رہا ہے، کیا یہ ایسی نمازیں، ایسے حج ہیں جو انسان اپنے دل سے کر رہا ہے؟ اور اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کا **اَلنّاسُ** بن رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا رفیق اور خاص دوست بن رہا ہے؟۔ اگر جذبہ نہیں تو نمازیں وغیرہ محض ایک رسم بن کر رہ جاتی ہیں۔ جو اللہ کو چاہیے وہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے نماز ہو، **ہم سجدہ کرتے ہوں تو ہمارے دل بھی سجدہ کرتے ہوں ہمارا دل، دماغ، جسم، جان سب کچھ سجدے میں پڑے ہوں۔ ہم رکوع کریں تو ہمارے جسم کا ہر حصہ رکوع میں پڑا ہو اور ہمارا تمام وجود رکوع کر رہا ہو۔ تو پھر یہ حالت عبدیت کی حالت کہلائے گی۔** اور اس حالت کو قرآن کریم کی سورۃ انعام میں یوں بیان کیا ہے: **''میری نماز اور میری قربانی۔ اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے'' (سورۃ الانعام ۶:۱۶۲)**

اس آیت میں وہ حالت بیان کر دی ہے جو انسان کی ہر نیکی کے وقت اس کے اندر موجود ہونی چاہیے کہ اس کا دل، اس کی روح اس کی گواہی دے کہ میری نمازیں میری عبادات، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔ ہمیں کتنا خوف آ جاتا ہے کہ کہیں موت کا نام آ جائے۔ تو ہم اگر اپنی زندگیاں اللہ کے لئے گذار رہے ہوں، اور اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرائیں تو دل سے ہر ڈر نکل جاتا ہے۔ شرک ایک کانٹا ہے جو ڈراتا رہتا ہے، چبھتا رہتا ہے۔ ہم نے ظاہری اسباب پر نظر رکھی ہوئی ہوتی ہے تو ہمیں خوف رہتا ہے لیکن اگر یہ کانٹا نکال دیا جائے تو اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے جیسے کہ وہ نمازوں میں نظر آنا چاہیے، ہر لمحہ، ہر جگہ انسان کو نظر آنا چاہیے۔ اسی لئے **یہ ہماری زندگی کا حصہ بن جانا چاہیے کہ ہماری نمازیں، قربانیاں، زندہ رہنا، مرنا یہ سب اللہ کے لئے ہے۔** ہم ہزار سال عمر پائیں گے تو بھی مریں گے۔ اس لئے موت سے ڈرنا بے سُود ہے۔

عبادت کا مقصد

عبادت کا مقصد ہے کہ ہم متقی بن جائیں، اللہ تعالیٰ کے **عبد** کو ہم متقی کہہ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرنے والا، اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننے والا وہ متقی ہوتا ہے اور یہی مقصد ہے سارے اسلام کا، سارے دین کا کہ اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال کر، اپنی جان کو اس کے لئے قربان کرتے ہوئے ہم متقی بننے کے لئے سب چیزیں ادا کریں۔ قرآن کریم کے نزول کا مقصد ایک ہی بتایا ہے کہ **''اس میں متقیوں کے لئے ہدایت ہے''**۔ اس مقصد میں ساری چیزیں آ جاتی ہیں کہ ہم کیا مانیں اور کیا کریں، کیا نہ کریں۔ توھدی لـلـمتقین ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں ہدایت ان لوگوں کے لئے ہے جو تقویٰ کی راہیں اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں تو ڈاکٹری کی کتابیں پڑھیں گے، انجینئر بننا چاہتے ہیں تو انجینئرنگ کی کتابیں پڑھیں گے۔ اور جس شعبہ میں جائیں گے اس شعبہ کی کتابیں پڑھیں گے۔ دین بھی ایک شعبہ ہے اور اس شعبہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی کتاب بتائی ہے اور وہ ہے قرآن کریم۔ اور ایک ہی پریکٹیکل رکھا ہے وہ رسول کریم صلعم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا ہے، ہمارے پاس تھیوری بھی ہے، ہمارے پاس پریکٹیکل بھی ہے **اس لئے قرآن اور حدیث دونوں پر عمل کرنا ہمارا**

فرض بنتا ہے۔ اسی طرح جب ہمیں روزے رکھنے کا حکم آیا ہے تو اس کے متعلق حکم ہوا: **"روزے تمہارے اوپر اس لئے فرض کر دیئے گئے جیسے پچھلے لوگوں پر فرض کیے گئے تا کہ تم متقی بن سکو"۔** اور حج کے لئے اگر آپ نے جانے کا ارادہ کیا تو کہا کہ "**اپنے ساتھ تقویٰ کا سامان لے کر چلو"۔**

متقی کی مثال

متقی کی مثال احادیث کی رُو سے اس طرح ہے کہ ایک خار دار جگہ ہے دونوں طرف کانٹے ہی کانٹے ہیں ہم تھوڑا اِدھر ہو جائیں تو بھی چبتے ہیں، اُدھر ہو جائیں تو بھی چبھتے ہیں، ہمارے کپڑے بھی پھٹ سکتے ہیں، ہم زخمی بھی ہو سکتے ہیں، ایسے راستے میں سے گذرنا یہ جانتے ہوئے کہ اس خاردار راستے کے اُس طرف باغات ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور ہم نے اس میں سے یوں گذرنے کی کوشش کرنی ہوتی ہے کہ کوئی کانٹا ہمیں چھو نہ سکے۔ تو اس مثال کا مطلب یہ ہوا کہ جو نیکیاں ہیں وہ ان کانٹوں سے بچاؤ ہے اور جو گناہ ہے وہ ان کانٹوں سے لہولہان اور زخمی ہو جانے کا نام ہے۔ اور ہم نے پوری کوشش کرنی ہے کہ ہم **ھدی للمتقین** کتاب جو ہمیں رہنمائی اور ہدایت دیتی ہے کہ ان کانٹوں سے کیسے بچا جائے، اس پر پورا پورا عمل کرتے ہوئے ان کانٹوں سے بچنا ہے۔ اس کتاب میں خدا تعالیٰ نے وہ راستے بتائے ہیں جس سے ہم ان خاردار کانٹوں سے زخمی ہونے سے بچ سکتے ہیں اور اس کے برعکس شیطان ہمیں سبز باغ دکھا رہا ہوتا ہے، ان کانٹوں کو پھول بنا بنا کر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ ہم پھولوں کی اس خوشبو میں اُلجھ جاتے ہیں ان کے قریب ہو جاتے ہیں اور زخمی ہو جاتے ہیں۔

رمضان کا مقصد

رمضان کا مقصد متقی بنانا ہے اور ایک ماہ اللہ نے ایسا رکھا ہے جس میں ہمیں نیک عمل کرنے کا موقع ملتا ہے، جس میں ہم ہر لمحہ چوبیس گھنٹے شیطان کے ہر وسوسے کو "نہ" کہنا سیکھ جائیں اور ہمیں بھوک لگے وہ ہمیں کہے تھوڑا کھا لو ہم نہیں کھاتے، ہمیں پتا ہوتا ہے کہ ہم روزے سے ہیں، وہ کہے تھوڑا سا پانی پی لو، ہم کہتے ہیں نہیں میں روزے سے ہوں۔ تو ایک ماہ ہم **"نہ"** کہتے رہتے ہیں۔ ایک مہینہ یوں گذار کر ہماری عادت بن جانی چاہیے کہ ہم شیطان کے وسوسات کو **"نہ"** کہنا سیکھ جائیں اور ایسی راہ اختیار کیے رکھیں کہ جب جب نیکی کا فرشتہ دل میں نیکی ڈالے ہم فوراً لبیک کہہ دیں، اس کام کو کر لیں اور جب جب شیطان پھسلانے کی کوشش کرے تو ہم "نہ" کریں اور وہ کام ہم نہ کریں۔ اسی راہ پر ہم قائم رہنے کے لئے مسلسل اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں اور **اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرحیم** کہتے رہیں۔ جب کوئی ایسا خیال آئے جو ہمارے دل میں فرشتے نے ڈالا ہو کہ یہ غلط ہے تو فوراً استغفار، فوراً **اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرحیم** پڑھ لیں۔ اور اس طرح ہم رمضان کا اصل مقصد حاصل کر لیں۔

دعا

ہم آج خوشی اس لئے منا رہے ہیں کیونکہ ہم نے خدا تعالیٰ کا حکم مانا اور اس حکم کے مطابق ایک ماہ کے روزے مکمل کئے۔ آج ہم سب جمع ہیں اور اپنے تمام کام چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری عبادات کو قبول کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری کمزوریوں کو نہ دیکھ، ہماری کمیوں کو نہ دیکھ اپنے رحم کو دیکھ اور ہماری یہ جو کوشش تھی اس کو قبول کر دے اور ہمیں اس کی وجہ سے اپنی قربت عطا فرما دے تو ہی ہمارا رب ہے، تو ہی ہمارا ولی ہے، تو ہی ہے اور کوئی نہیں ہے، ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں اور اس عید کو ہم اپنے اس عہد کا دن بناتے ہیں جس میں ہم آج سے یہ ارادہ کرتے ہیں کہ یہ جو خوشی ہمیں حاصل ہوئی ہے وہ بار بار ہماری زندگیوں میں خوشی بن کر رہے اور نہ یہ کہ وقت گذرنے پر ہم تجھ سے دور ہو جائیں۔

ہم دعائیں کرتے ہیں تو اکثر ہم ربنا کہہ کر دعائیں مانگتے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ: "ہم جو دعائیں کرتے ہیں اس میں **ربنا** کہتے ہیں اور **ربنا** ہمیں یہی یاد دلاتا ہے کہ ہم نے اللہ سے کوئی شرک نہیں کرنا۔ اس لئے ہم جب اُس سے مانگتے ہیں تو اُس کو لاشریک کہہ کر پکارتے ہیں تو تب **ربنا** (ہمارا رب) ہوتا ہے۔ تو جب ہمارا رب ہے تو باقی جو ذرائع ہیں ان پر سے نظر ہٹ جاتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں تقویٰ کی راہوں پر چلنے میں جو بہت مشکل راہیں ہیں ثابت قدم رکھے۔ **ایاک نعبد و ایاک نستعین** اس عبودیت کے لئے اللہ کی مدد چاہتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ اس رمضان کے بعد جو اس کے ساتھ قربت حاصل ہوئی ہو اس کو قائم کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ آمین

حافظ شیر محمد خوشابی مرحوم و مغفور

جماعت احمدیہ لاہور کے نزدیک

حضرت مرزا صاحب کے مدّعی نبوت نہ ہونے کے دلائل

پہلی دلیل

حضرت مرزا صاحب نے ساری زندگی دعویٰ نبوت سے انکار کیا ہے۔ اگر آپ نبوت کے مدّعی ہوتے تو وہ دعویٰ نبوت سے کبھی انکار نہ کرتے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

۱۔ ''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے''۔(ازالہ اوہام ص ۴۲۱)

۲۔ ''غرض جبکہ نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ ہے''۔(مجموعہ اشتہار جلد دوم)

۳۔ ''افترا کے طور پر ہم پر تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔۔۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہلِ سنت کے قائل ہیں''۔(کتاب البریہ حاشیہ ص ۱۸۲)

۴۔ ''اس عاجز نے ان موجودہ علماء کے مقابل پر۔۔۔ کئی مرتبہ خدا تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہ میں کسی نبوت کا مدعی نہیں مگر پھر بھی یہ لوگ تکفیر سے باز نہیں آتے''۔(مکتوب بنام مولوی احمد اللہ امرتسری الحکم ص ۴ ۱۹۰۴ء)

دوسری دلیل

قرآن مجید کی وہ آیت جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین کا لقب عطا کیا گیا ہے اس کے جو معنی اور مطلب حضرت مرزا صاحب نے بتلائے (اگر آپ مدعی نبوت ہوتے تو خاتم النبین کا ایسا مفہوم ہرگز نہ بتلاتے چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

۱۔ ترجمہ آیت: ''یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا''۔

یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا''۔(ازالہ اوہام ص ۶۱۴)

۲۔ ''قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت کریمہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبین سے بھی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے''۔(کتاب البریہ حاشیہ ص ۱۹۹)

۳۔ ''اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین ہے اور رحمٰن اور رحیم ہے جس نے زمین اور آسمان کو چھ دن میں بنایا اور آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے''۔(حقیقۃ الوحی ص ۱۴۱)

تیسری دلیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جن میں آپؐ کے متعلق لا نبی بعدی کے الفاظ آئے ہیں اور ان کے جو معنے حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔ اگر مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو حدیث لا نبی بعدی کے ایسے معنی ہرگز نہ لکھتے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

۱۔ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث لا نبی بعدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں

کلام نہ تھا''۔ (کتاب البریہ حاشیہ ص ۱۸۴)

۲۔ ''ایسا ہی آپؑ نے لا نبی بعدی کہہ کر کسی نئے نبی یا دوبارہ آنے والے نبی کا قطعاً دروازہ بند کر دیا''۔ (ایام الصلح)

چوتھی دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو یہ کبھی نہ لکھتے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نبوت منقطع ہو چکی ہے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

ا۔ ''میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی''۔

(مجموعہ اشتہارات جلد دوئم ص ۲۳۰)

۲۔ ''آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہؐ اور بہ اتباع آنجناب صلعم اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔ اس کے ہم قائل ہیں۔ اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے''۔

(مجموعہ اشتہارات جلد دوئم ص ۱۵۱)

پانچویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو یہ کبھی نہ لکھتے کہ آنخضرت صلعم کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وحی نبوت لے کر آنا ممتنع ہے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

''ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں تبصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب جبرائیل علیہ السلام بعد وفات رسول اللہ صلعم کے لئے وحی نبوت لانے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہرگز نہیں آسکتا''۔

چھٹی دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو ایسا کبھی نہ لکھتے کہ مجھے وحی ولایت یا وحی محدثیت ہوتی ہے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

''کبھی دنیا میں یہ ہوا ہے کہ کاذب کی خدا تعالیٰ نے ایسی مدد کی ہو کہ وہ گیارہ برس سے خدا تعالیٰ پر افتراء کر رہا ہو کہ اس کی وحی ولایت اور وحی محدثیت میرے پر نازل ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کی رگ جان نہ کاٹے''۔

(آئینہ کمالات اسلام ۳۲۳)

۲۔ ''میں نے دیکھا ہے کہ اس وحی کے وقت جو برنگ وحی ولایت میرے پر نازل ہوتا ہے''۔ برکات الدعا

۳۔ ''اور یہ کہنا کہ اب وحی ولایت کی راہ مسدود ہے اور نشان ظاہر نہیں ہو سکتے اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ یہ ہلاکت کی راہ ہے نہ سلامتی کی۔ خدا تعالیٰ کے فضل کو ردمت کرو۔ آزماؤ اور پرکھو''۔ (برکات الدعا)

ساتویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو اپنی وحی کو قرآن مجید پر کبھی پیش نہ کرتے حالانکہ آپ نے اپنی وحی کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جب تک اسے قرآن مجید کے مطابق نہیں پایا کیونکہ وحی نبوت تصدیق کی محتاج نہیں ہے۔ جیسا آپ فرماتے ہیں:

''ا۔ ''اور میں اپنے الہاموں میں سے کسی الہام کی تصدیق نہیں کرتا مگر بعد اس کے کہ اس کو کتاب اللہ پر پیش کر لوں اور میں جانتا ہوں کہ ہر وہ چیز جو مخالف ہے قرآن کی وہ کذب اور الحاد اور زندقہ ہے''۔

(آئینہ کمالات اسلام)

۲۔ ''جب تک الہامات کو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ پر عرض نہیں کیا اور جب تک بدرگاہ رب العالمین استخارہ اور تضرع اور زاری نہیں کی اس امر کو زبان پر نہیں لایا''۔ (حمامتہ البشریٰ اردو ترجمہ)

۳۔ ''میں نے یہ التزام رکھا ہے کہ میں اپنے کشوف یا الہامات پر تحمل نہیں کرتا جب تک قرآن اور سنت اور صحیح حدیث اس کے ساتھ نہ ہو''۔

(ملفوظات جلد چہارم)

۴۔ ''الہام ولایت یا الہام عامہ مومنین بجز موافقت اور مطابقت قرآن کریم کے حجت بھی نہیں''۔(ازالہ اوہام)

آٹھویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور مطیع کبھی نہ کہتے جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے:

ا۔ ''اللہ جل شانہ فرماتا ہے (ترجمہ آیت) ''یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو''۔(ازالہ اوہام)

۲۔ ''کوئی رسول دنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے جو اس پر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے''۔

۳۔ ''میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ و رسول کا متبع ہوں''۔

(جنگ مقدس ص ۶۷)

نویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو یہ ہرگز نہ لکھتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ خدا تعالیٰ کے نبی ہیں اس واسطے وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

ا۔ ''علاوہ ازیں ان باتوں کے کہ مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کو یہ آیت بھی روکتی ہے **ولکن رسول اللہ و خاتم النبین** اور ایسا ہی یہ حدیث بھی لا نبی بعدی یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ باوجود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں پھر کسی وقت دوسرا نبی آجائے اور وحی نبوت شروع ہو جائے''۔

(ایام الصلح ص ۴۷)

۲۔ ''**الیوم اکملت لکم دینکم** اور آیت **ولکن رسول اللہ و خاتم النبین** میں صریح نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر چکا ہے۔ اور صریح لفظوں میں فرما چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں واپس لاتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بدستور اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئیں گے اور برابر پنتالیس برس تک ان پر جبرائیل علیہ السلام وحی نبوت لے کر نازل ہوتا رہے گا۔ اب بتلاؤ کہ ان کے عقیدہ کے موافق ختم نبوت اور ختم وحی نبوت کہاں باقی رہا بلکہ ماننا پڑا کہ خاتم الانبیاء حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں''۔

(تحفہ گولڑویہ ص ۸۳)

۳۔ ''ہمارے ظالم مخالف ختم نبوت کے دروازوں کو پورے طور پر بند نہیں سمجھتے بلکہ ان کے نزدیک مسیح اسرائیلی نبی کے واپس آنے کے لئے ابھی ایک کھڑکی کھلی ہے پس جب قرآن کے بعد بھی ایک حقیقی نبی آ گیا اور وحی نبوت کا سلسلہ شروع ہوا تو کہو کہ ختم نبوت کیونکر اور کیا ہوا کیا نبی کی وحیٔ نبوت کہلائے گی یا کچھ اور''۔(سراج منیر ص ۳۳۲)

دسویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو ایسا ہرگز نہ لکھتے کہ چونکہ قرآن مجید نے شریعت کی ضرورت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی نہیں جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

''اس امت میں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمات اور

مخاطبات ہیں اور ان کو رنگ انبیاء دیا جاتا ہے مگر وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اور ان کو نہیں دیا جاتا مگر فہم قرآن اور وہ قرآن پر زیادہ کرتے ہیں اور نہ کم کرتے ہیں''۔

(مواحب الرحمٰن ص ۶۶۔۶۷)

گیارھویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو مجدد طریقت ہونے کی وجہ سے آپ کے الہام ولایت یا وحی ولایت میں جو نبی اور رسول آگئے تھے تو ان کی تاویل ہرگز نہ کرتے کہ یہ مجاز اور استعارہ کے طور پر ہیں لغوی معنوں میں ہیں حقیقی معنوں میں نہیں ہیں جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

۱۔ ''جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔۔ یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اپنے اس بندہ پر نازل فرمایا اس میں اس بندہ کی نسبت بکثرت موجود ہیں سو یہ حقیقی معنوں میں محمول نہیں ہیں۔ **ولکل ان یصطلح** سو خدا کی اصطلاح ہے جو اس نے ایسے لفظ استعمال کئے۔ ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رُو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پرانا قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے مگر مجازی معنوں کی رُو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے کیا تم نے وہ حدیثیں نہیں پڑھیں جن میں رسول رسول اللہ آیا ہے۔ عرب کے لوگ تو اب تک انسان کے فرستادہ کو بھی رسول کہتے ہیں۔ پھر خدا کو کیوں یہ حرام ہو گیا کہ مرسل کا لفظ مجازی معنوں میں بھی استعمال کرے کیا قرآن میں سے **فقالو انا الیکم مرسلون** بھی یاد نہیں رہا۔ انصافاً دیکھو کیا یہی تکفیر کی بنا ہے، اگر خدا کے حضور میں پوچھے جاؤ تو بتاؤ کہ میرے کافر ٹھہرانے کے لئے تمہارے ہاتھ میں کونسی دلیل ہے۔ بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بیشک ہیں لیکن اپنے حقیقی معنوں میں محمول ہیں''۔ (سراج منیر ص ۳)

۲۔ ''وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جل شانہ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں یہ لفظ نبوت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے ان کو بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے (نوٹ حاشیہ) ایسے الفاظ میرے الہامات میں درج ہیں چنانچہ براہین احمدیہ ایسے کئی مخاطبات الہیہ میری نسبت پاؤ گے۔ منہ) وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے اور اصل حقیقت جس میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔۔۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے بعض اوقات خدا تعالیٰ کے الہامات میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیاء کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے''۔

(انجام آتھم حاشیہ ص ۲۷)

بارھویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو اپنی تحریرات اور تقاریر میں حقیقی نبوت کا کبھی انکار نہ کرتے اور نبی اور رسول کے الفاظ کا لغوی اور مجازی مفہوم ہرگز مراد نہ لیتے کیونکہ جو مجاز ہوتا ہے وہ حقیقی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے:

۱۔ ''اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں''۔

(انجام آتھم حاشیہ ص ۲۷)

۲۔ ''جب خدا کسی سے بکثرت ہمکلام ہو اور اپنے غیب کی باتیں بکثرت اس پر ظاہر کرے تو یہ نبوت ہے مگر حقیقی نبوت نہیں''۔ (ملفوظات جلد دہم ص ۴۲۱)

۳۔ ''میرا نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی رکھا گیا مجاز کے طریق پر نہ علیٰ وجہ الحقیقت''۔(استفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص۶۴)

تیرھویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو مسلم شریف میں جو نواس بن سمعان کی روایت میں آنے والے مسیح موعود کی پیشگوئی میں ''نبی اللہ'' کے الفاظ ہیں ان کی تاویل کر کے ان سے مراد لغوی اور مجازی معنی ہرگز مراد نہ لیتے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

ا۔ ''آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبی کریم صلعم سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کے رُو سے ہے جو صوفیائے کرام کی کتابوں میں مسلم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ ہے ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا؟''۔(انجام آتھم ص۲۷)

۲۔ ''اور یہ بھی یاد ہے کہ مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آیا ہے یعنی بطور مجاز اور استعارہ کے''۔(ایام الصلح ص۷۵)

۳۔ ''یہ الفاظ بطور استعارہ ہیں جیسا کہ حدیث میں بھی مسیح موعود کے لئے نبی کا لفظ آیا ہے۔۔۔اور جو غیب کی خبر خدا سے پا کر دیوے اس کو عربی میں نبی کہتے ہیں۔اسلامی اصطلاح کے معنی الگ ہیں۔اس جگہ محض لغوی معنی مراد ہیں''۔ (اربعین نمبر۳ ص۱۹ حاشیہ)

۴۔ ''ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے میرے پر یہی کھولا گیا ہے کہ حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بکلی بند ہیں۔اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کے رُو سے آسکتا ہے اور نہ کوئی قدیم نبی''۔

(سراج منیر ص۳)

چودھویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو اپنے آپ کو محدثین میں جو غیر نبی ہوتے ہیں شمار نہ کرتے اور اپنے متعلق استعمال کردہ نبی کا مفہوم صرف محدثیت تک کبھی محدود نہ کرتے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

ا۔ ''اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجنابؐ کے بعد امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا اور قرآن کریم کا ایک شعشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جل شانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ وجوہ شانِ نبوت کے رنگ سے رنگین کئے جاتے ہیں اور ان میں سے ایک میں ہوں''۔(نشانِ آسمانی ص۲۸)

۲۔ ''اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے''۔(توضیح مرام ص۱۸)

۳۔ ''محدث وہ لوگ ہیں جو شرف مکالمہ الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں اور ان کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس سے اشد مشابہت رکھتا ہے اور وہ خوص عجیبہ نبوت کے لئے بطور آیات باقیہ کے ہوتے ہیں تا یہ دقیق مسئلہ نزول کا کس زمانہ میں بے ثبوت ہو کر صرف قصہ کے نہ ہو جائے''۔

(برکات الدعا ص۱۸)

۴۔ ''چونکہ ہمارے سید و رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آسکتا اس لئے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں''۔(شہادت القرآن ص۲۴)

پندرھویں دلیل

''اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو اپنے آپ کو امتی اور نبی یا ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی کبھی نہ لکھتے کیونکہ یہ دو شانیں امتیت اور نبوت کی محدث میں پائی جاتی ہیں اور جو نبی ہوتا ہے وہ تو اپنے اندر صرف ایک شانِ نبوت ہی رکھتا ہے جیسا کہ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں:

ا۔ ''یہ بات کہ اس کو امتی بھی کہا اور نبی بھی اس بات کی طرف

اشارہ ہے کہ دونوں شانیں امتیت اور نبوت کی اس میں پائی جائیں گی جیسا کہ محدث میں ان دونوں کا پایا جانا ضروری ہے لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شانِ نبوت ہی رکھتا ہے غرض محدثیت دونوں رنگوں میں رنگین ہوتی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی''۔(ازالہ اوہام ص۵۳۲)

۲۔ ''میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی''۔(حقیقتہ الوحی حاشیہ ص۱۵۰)

۳۔ ''اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا کیونکہ نبوت تامہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے ہاں امتی اور نبی دونوں لفظ اجتماعی حالت میں اس پر صادق آسکتے ہیں کیونکہ اس میں نبوت تامہ کاملہ محمدیہ کی ہتک نہیں''۔

(الوصیت)

۴۔ ''دنیا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے کہ وہ بشرطِ سچی اور کامل اتباع ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلعم کے مکالمات الٰہیہ سے مشرف کرتا ہے اسی وجہ سے تو حدیث میں آیا ہے کہ۔۔۔یعنی میری امت کے علماء اور ربانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں اس حدیث میں بھی علماء ربانی کو ایک طرف امتی اور دوسری طرف نبیوں سے مشابہت دی''۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۲۔۱۸۴)

سولھویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو ایسا کبھی نہ لکھتے کہ رسول کا لفظ عام ہے۔یہ صرف نبیوں کے لئے ہی نہیں استعمال کیا جاتا ہے بلکہ اس میں محدث اور مجدد سب شامل ہیں۔جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

۱۔ ''رسول کا لفظ عام ہے جس میں رسول اور نبی اور محدث داخل ہیں''۔(آئینہ کمالات اسلام)

۲۔ ''رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا رسول یا محدث یا مجدد ہوں''۔

(ایام الصلح حاشیہ ص۱۸۱)

۳۔ ''رسل سے مراد مرسل ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی ہوں یا محدث ہوں''۔(شہادۃ القرآن)

۴۔ ''مرسل ہونے میں نبی اور محدث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا ایسا ہی محدثین کا نام بھی مرسل رکھا''۔(شہادۃ القرآن)ص۲۷)

۵۔ ''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے''۔(ازالہ اوہام ص۴۲۱)

۶۔ ''جس حالت میں ابتدا سے میری نیت میں جس کو اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد حقیقی نبوت نہیں بلکہ صرف محدث مراد ہے''۔(مجموعہ اشتہارات جلد اول ص۹۷)

سترھویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو اپنے آپ کو ظلی نبی نہ کہتے جو ظل ہوتا ہے وہ اصل نہیں ہوتا۔جیسا کہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

۱۔ ''میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت''۔(حقیقتہ الوحی حاشیہ ص۱۵۰)

۲۔ ''اور ظلی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا ہے''۔

(چشمہ معرفت حاشیہ ص۳۲۴)

۳۔ ''یقیناً یاد رکھو کہ کامل اتباع کے ثمرات ضائع نہیں ہوسکتے یہ تصوف کا مسئلہ ہے اگر ظلی مرتبہ نہ ہوتا تو اولیائے امت مرجاتے یہی کامل اتباع اور بروزی اور ظلی مرتبہ ہی تو تھا جس سے بایزید نے محمد کہلایا اور اس کے کہنے پر ستر مرتبہ کفر کا فتویٰ اس کے خلاف دیا گیا۔اور انہیں شہر بدر کیا گیا مختصر یہ کہ لوگ جو ہماری مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات کا علم نہیں اور وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں''۔(اخبار بدر ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

۴۔ ''ہاں سایہ اپنی ذات میں قائم نہیں اور حقیقی طور پر کوئی فضیلت اس میں موجود نہیں بلکہ جو کچھ اس میں موجود ہے وہ اس کے شخص اصلی کی ایک تصویر ہے جو اس میں نمودار اور نمایاں ہے''۔ (براہین احمدیہ حصہ سوئم ص ۲۴۳)

۵۔ ''تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں۔ صرف ظل اور اصل کا فرق ہے''۔
(کشتی نوح ص ۱۵)

۶۔ ''ولایت کامل طور پر ظل نبوت ہے''۔ (حجتہ اللہ ص ۲۴)

۷۔ ''نبی مثل کے ہوتا ہے ولی مثل ظل کے''۔ (لجتہ النور ص ۳۸)

اٹھارھویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو اپنے آپ کو بروزی نبی نہ کہتے کیونکہ اہلِ طریقت کے نزدیک جو مورد بروز ہوتا ہے وہ حکم نفی وجود کا رکھتا ہے جیسا کہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

ا۔ ''تمام نبی اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ وجود بروزی اپنے اصل کی پوری تصویر ہوتی ہے یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے''۔
(ایک غلطی کا ازالہ)

۲۔ ''صوفیائے کرام اس کو مانتے ہیں کہ کسی گذرے ہوئے انسان کی طبیعت، خو، اخلاق ایک اور میں آتے ہیں ان کی اصطلاح میں یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص قدم آدم پر ہے یا قدم نوح پر ہے اس کو بعض بروز بھی بولتے ہیں''۔
(ملفوظات احمدیہ)

۳۔ ''علمائے اسلام کی یہ عادت جاریہ ہوگئی ہے کہ بروز کا نام قدم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں جیسے یہ آدمی موسیٰ کے قدم پر ہے اور یہ ابراہیم کے قدم پر''۔ (لجتہ النور ص)

۴۔ ''تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر نبی بروز کے طور پر قائم مقام نبی ہو جاتا ہے یہی معنی اس حدیث کے ہیں۔ علماء امتی کا بنیاء بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء مثل انبیاء ہیں۔ (دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو انبیاء قرار دیا''۔ (ایام الصلح ص ۱۶۳)

۵۔ ''مورد بروز حکم نفی وجود کا رکھتا ہے اس لئے بروزی نبوت اور رسالت سے مہر ختمیت نہیں ٹوٹتی''۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

۶۔ ''جیسے شیشہ میں انسان کی شکل نظر آتی ہے حالانکہ وہ شکل بذاتِ خود الگ قائم ہوتی ہے اس کا نام بروز ہے''۔ (تفسیر سورۃ فاتحہ)

انیسویں دلیل

حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد ان کی قبر کے کتبہ پر جو الفاظ لکھے گئے تھے وہ حسب ذیل تھے:

''جناب مرزا غلام احمد قادیانی، رئیس قادیان مسیح موعود مجدد صد چہار دہم
تاریخ وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو قبر کے کتبہ میں مجدد صد چہار دہم کے الفاظ قطعاً نہ لکھے جاتے کیونکہ جو کسی کا عہدہ ہو مرنے کے بعد اس کی قبر پر وہی لکھا جاتا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب فی الواقع نبی تھے تو ان کے قبر کے کتبہ میں ایسے الفاظ کیوں لکھے گئے جو سالہا سال تک لکھے رہے کئی سال بعد کتبہ سے ''مجدد صد چہار دہم'' کے الفاظ کاٹ دیئے گئے مگر نبی کے الفاظ پھر بھی نہ لکھے گئے۔

بیسویں دلیل

اگر حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہوتے تو اپنے مریدوں کو ہر گز یہ نہ کہتے کہ میرے لئے نبی کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ یا اسے کاٹا ہوا خیال کیا جائے جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے:

''میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان الفاظ سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم تصور فرما کر۔۔۔ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں''۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اول ص ۳۱۳)

☆☆☆☆

از: ملک ظفر اللہ خان مرحوم ومغفور

گناہ۔ اور اُس کی فلاسفی

ایک شخص نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ دنیا میں لوگ بہت گنہگار ہوں گے مگر میرے جیسا گنہگار تو کوئی نہ ہوگا۔ میں نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں۔ میری بخشش کس طرح ہوگی؟

حضرت نے فرمایا: دیکھو خدا جیسا غفور ورحیم کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ پر یقین کامل رکھو کہ وہ تمام گناہوں کا بخش سکتا ہے۔

یادرکھو کہ گناہ ایک زہر ہے اور ہلاکت ہے مگر توبہ واستغفار ایک تریاق ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے پیار کرتا ہے جو توبہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پاک ہو جائیں''۔ خدا تعالیٰ نے ہر ایک شے میں ایک حکمت رکھی ہے۔ اگر آدم گناہ کر کے توبہ نہ کرتا اور خدا کی طرف نہ جھکتا تو صفی اللہ کا لقب کہاں سے پاتا۔ اگر کوئی انسان ایسا اپنے آپ کو دیکھتا کہ جیسا ماں کے پیٹ سے نکلا ہے، اور اپنے اندر کوئی گناہ نہ دیکھتا تو اس کے دل میں تکبر پیدا ہوتا۔ جو تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ شیطان نے گھمنڈ کیا کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اسی واسطے وہ شیطان بن گیا۔

گناہ جو انسان سے صادر ہوتا ہے وہ نفس کو توڑنے کے واسطے ہے جب انسان سے گناہ ہوتا ہے تو وہ اپنی بدی کا اقرار کرتا ہے اور اپنے عجز کو یقین کر کے خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے جس طرح مکھی کے دو پَر ہیں کہ ایک میں زہر ہے اور دوسرے میں تریاق ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر تمہارے کھانے پینے کی چیز میں مکھی پڑے تو وہ اپنا صرف ایک پَر اس کے اندر ڈبوتی ہے جس میں زہر ہے۔ پَر تم اس کو نکالنے سے پہلے اس کا دوسرا پَر بھی ڈبولو کہ وُہ اس کے بالمقابل تریاق ہے۔ یہ مثال انسان کے گناہ اور توبہ کی ہے۔ اگر گناہ صادر ہو جائے تو توبہ کرو کہ وہ اس کے واسطے تریاق ہے اور گناہ کے زہر کو دُور کر دیتی ہے۔ عاجزی اور تضرع سے خدا تعالیٰ کے حضور جھکو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اگر گناہ نہ ہوتا تو ترقی ہی نہ ہوتی۔ جو شخص جانتا ہے کہ میں نے گناہ کیا ہے اور اپنے آپ کو ملزم دیکھتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تب اس پر رحم کیا جاتا ہے اور وہ ترقی پکڑتا ہے۔ لکھا ہے:

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں'' لیکن توبہ سچے دل کے ساتھ ہونی چاہیے اور نیت صادق کے ساتھ چاہیے کہ انسان پھر کبھی اس گناہ کا مرتکب نہ ہوگا۔ گو بعد میں بہ سبب کمزوری کے ہو جاوے لیکن توبہ کرنے کے وقت اپنی طرف سے پختہ ارادہ اور سچی نیت میں کسی قسم کا فساد نہ ہو بلکہ پختہ ارادہ ہو کہ قبر میں داخل ہونے تک اس بدی کے قریب نہ آئے گا تب وہ توبہ قبول ہو جاتی ہے لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو امتحان میں ڈالتا ہے تا کہ ان کو انعام دیوے۔ انعام حاصل کرنے کے واسطے امتحانوں کا پاس کرنا ضروری ہے۔

توبہ ایک موت ہے

ہاں توبہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان زبان سے توبہ توبہ کہہ لیوے بلکہ ایک شخص تائب اس وقت کہا جاتا ہے کہ گذشتہ حالت پر سچے دل سے نادم ہو کر آئندہ کے لئے وعدہ کرتا ہے کہ پھر یہ کام نہیں کروں گا اور اپنے اندر تبدیلی کرتا ہے اور جن شہوات، عادات وغیرہ کا وہ عادی ہوتا ہے ان کو چھوڑتا ہے اور تمام یار دوست گلی کوچے اسے ترک کرنے پڑتے ہیں کہ جن کا معاصی کی حالت میں اس سے تعلق تھا گویا توبہ ایک موت ہے جو وہ اپنے اوپر وارد کرتا ہے جب ایسی حالت میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ گناہ کے ارتکاف میں ایک حصہ قضا وقدر کا ہے کہ بعض اندرونی اعضاء اور قویٰ کی ساخت اس قسم کی ہوتی ہے کہ انسان سے گناہ سرزد ہوں۔ اس لئے ضروری تھا کہ ارتکاب معاصی میں جس قدر قضاء وقدر کا حصہ ہے اس میں خدا تعالیٰ رعائیت دیوے اور اس بندے کی توبہ قبول کرے اور اسی لئے اس کا نام تواب ہے۔ خدا کی توبہ تو پھر لغزش نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے کہ انسان توبہ کرتا ہے پھر اس سے ٹوٹ جاتی ہے اور قضاء وقدر غالب آجاتی ہے پھر وہ روتا ہے، گڑگڑاتا ہے پھر توبہ کرتا ہے مگر پھر ٹوٹ

جاتی ہے اور وہ بار بار تضرع کرتا اور توبہ کرتا ہے پھر آخر کار انتہاء تک اس کی تضرع اور ابتہال پہنچ جاتے ہیں تو پھر خدا توبہ کرتا ہے یعنی اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے اعمل ماشت انی غفرت لک۔ اس کی معنی ہیں کہ اب اس کی فطرت ایسی بدل گئی ہے کہ گناہ ہو ہی نہ سکے۔ یہ بات حیران کرنے والی نہیں کہ خدا کی توبہ کیا ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ توبہ کا اصل مفہوم رجوع کرنا ہے۔ انسان کی توبہ یہ ہے کہ وہ گناہ سے نیکی کی طرف رجوع کرتا ہے اور خدا کی توبہ یہ ہے کہ وہ رحمت کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ رجوع برحمت فرماتا ہے اس کے بعد انسان گناہ پر قابو نہیں پاتا اور یہی وہ حالت ہوتی ہے جس کے لئے حدیث میں آیا ہے اعمل ماشت انی غفرت لک ،تذکرہ اولیاء میں لکھا ہے کہ ایک شخص نماز، روزہ اور دوسرے اشغال اذکار سے ریا کیا کرتا تھا تا کہ لوگ اسے ولی سمجھیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ اسے ریا کار سمجھتے تھے یہاں تک کہ بچے بھی جس راستہ سے گذرتے اس کو ریا کار اور فریبی کہا کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک اس کی حالت ایسی رہی آخر اس نے سوچا کہ اس طریق سے کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ حالت بدتر ہی ہوئی ہے اس لئے اس کو چھوڑ دینا چاہیے پس اس نے چھوڑ دیا اور ملامتی فرقہ کا سا طریق اختیار کیا۔ مسلمانوں میں ایک ملامتی فرقہ ہے جو اپنی نیکیوں کو چھپاتا اور بدیوں کو ظاہر کرتا ہے تا کہ لوگ انہیں برا کہیں۔ اسی طرح پر وہ اپنی نیکیوں کو چھپانے لگا اور اندر ہی اندر اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لکھا ہے کہ جس کوچہ سے گذرتا عام لوگ اور بچے اسے کہتے کہ بڑا نیک ہے، ولی ہے، بزرگ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا مشک اور عطر کی طرح ہے جو کسی طرح چھپ نہیں سکتا، یہی تاثرین ہیں سچی توبہ میں۔ جب انسان سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے پھر اسے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ خدا اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے اور وہ تقدیر جو شامت اعمال سے اس کے لئے مقرر ہوتی ہے وہ دور کی جاتی ہے۔ اس امر کے دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اپنی اس مختصر زندگی میں بلاؤں سے محفوظ رہنے کا کس قدر محتاج ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ان بلاؤں اور وباؤں سے محفوظ رہے جو شامت اعمال کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ ساری باتیں سچی توبہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ پس توبہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حافظ اور نگران ہو جاتا ہے اور ساری بلاؤں کو دور کر دیتا ہے اور ان منصوبوں سے جو دشمن ان کے لئے تیار کرتے ہیں ان سے اسے محفوظ رکھتا ہے اور اس کا یہ فضل اور برکت کسی سے خاص نہیں بلکہ جس قدر بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں اس لئے ہر ایک شخص جو اس کی طرف آتا ہے وہ بھی ویسا ہی ہوگا جیسے وہ شخص جو توبہ کر چکا ہے وہ ہر ایک سچی توبہ کرنے والے کو بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے۔ بے وفا آدمی جو خدا کو چھوڑ دیتے ہیں، کتوں کی طرح ہوتے ہیں کہ مطلب کے یار ہوتے ہیں اگر ان کی آرزوئیں اور مرادیں پوری ہوتی رہیں تو وہ خدا کو مانتے رہیں گے اور اگر پوری نہ ہوں تو پھر اس سے ناراض اور شکایت کا دفتر کھلا ہوا ہے تو جن کی یہ حالت ہے اور ان میں صدق وفا نہیں ہے۔ خدا ان کی نمازوں کو کیا کرے وہ خدا کے نزدیک ہرگز نمازی نہیں ہیں اور ان کی نمازیں سوائے اس کے کہ زمین پر ٹکریں ماریں اور کچھ حکم نہیں رکھتیں۔ خدا کے نزدیک نمازی اسی وقت ہوگا جبکہ وہ سچا اور صدق وفا کا تعلق اسے سے باندھے گا اور خدا کی رضا اور اطاعت میں اس قدر محو ہو اور دین کو دنیا پر یہاں تک مقدم رکھے کہ جان دینے کو بھی ہر وقت تیار رہے جب اس کی صدق وفا کی نوبت اس حد تک ہوگی تو اس وقت اس کی نماز خدا کے نزدیک نماز ہوگی۔ ایک بڑی علامت سچے ایماندار کی یہ ہے کہ انسان دنیا کو پاؤں کے نیچے کچل کر اور اسے ردی جان کر اس سے ایسا الگ ہو جاوے جیسے سانپ اپنی کینچلی سے الگ ہو جاتا ہے تو وہ حقیقی مسلمان ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی معیت اس کے شامل حال ہوتی ہے اور وہ خدا کے نزدیک بھی مومن مسلمان ٹھہرتا ہے۔ فرماتا ہے ان اللہ مع الذین اتقو و الذین ھم محسنون یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور تقویٰ سے بڑھ کر کام کرتے ہیں کہ محسنوں میں ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے رشتہ میں اس قدر شیرینی اور لذت ہوتی ہے کہ کوئی پھل ایسا شیریں نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ سے جلدی کوئی شخص خبر گیر نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کا خدا تعالیٰ متولی ہو جاتا ہے اس کو کئی فائدے ہوتے ہیں ایک تو وہ طمانیت کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ راحت پاتا ہے جو کہیں دوسری جگہ نصیب نہیں ہو سکتی اور اس کا متولی ایسا زبردست ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک مشکل سے جلد نکالتا اور خبر گیری کرتا ہے۔ نماز کا مزا دنیا کے ہر ایک مزے پر غالب ہے۔ لذات جسمانی کے لئے ہزاروں خرچ ہوتے ہیں اور پھر اس کا نتیجہ بیماریاں ہوتی ہیں اور یہ مفت کا بہشت ہے جو اسے ملتا ہے۔ قرآن شریف میں دو جنتوں کا ذکر ہے ایک ان میں سے دنیا کی جنت ہے اور وہ نماز کی لذت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نماز کی لذت عطا فرمائے۔ آمین

قرآن حکیم کا علمی معجزہ

از: قاری غلام رسول صاحب

قرآن حکیم کی سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”مومن یقیناً کامیاب ہیں جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں اور جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہیں اور جو پاکیزگی کے لئے کام کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا ان سے جن کے ان کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے تو وہ ملامت کیے گئے نہیں لیکن جو اس سے آگے نکلنا چاہیں وہ حد سے بڑھنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یہی وارث ہیں جو فردوس کو ورثہ میں لیتے ہیں وہ اسی میں رہیں گے اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے ایک مضبوط ٹھہرنے کی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا پھر ہم نے نطفہ کو لوتھڑا بنایا اور لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا اور گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اسے ایک اور پیدائش دے کر اٹھا کھڑا کیا پس اللہ بابرکت ہے جو سب بنانے والوں سے بہتر ہے پھر تم اس کے بعد یقیناً مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے“۔

ان آیات مبارکہ میں پہلے انسان کی اخلاقی و روحانی ترقی کے مراتب کا بیان فرمایا ہے اس کے بعد انسانی تخلیق کے جسمانی مراحل بیان کئے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی زندگی کے مدارج کو روحانی زندگی کے مدارج پر بطور شہادت کے پیش کیا ہے۔ انسانی زندگی کی ترقیات کو محض حیوان کی زندگی کی ترقیات تک محدود نہیں کیا بلکہ اسے ایک اضافی چیز دی ہے جو نفسِ ناطقہ یا عقل ہے۔ اس لئے انسان مسئول ہے اور اس کا محاسبہ ضروری ہے۔ اور حیات بعد الموت اسی لئے ہے۔

انسانی تخلیق کے متعلق دو نظریئے زیادہ مشہور ہیں ایک وہ جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے اور سابقہ آسمانی صحائف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ انسان اول آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے براہِ راست پیدا فرمایا اور اس کو ایسی نادر قوتوں کی جلوہ گاہ بنایا جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اس کے سینے کو علوم و معارف سے منور کیا۔ اس کو نور نبوت عطا فرمایا اور خلافتِ ارضی کا منصب عطا کیا۔ حضرت انسان اشرف المخلوقات ہے اور زمین و آسمان اس کے لئے مسخر ہیں اور سارا نظام ہستی اس کی خدمت کے لئے سرگرم ہے۔ دوسرا نظریہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زندگی مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی بندر اور بندر سے انسانی شکل میں نمودار ہوئی۔ یہ نظریہ ڈیڑھ صدی سے پیش کیا جا رہا ہے مگر اس کے پرستار ابھی تک کوئی ٹھوس بنیاد فراہم نہیں کر سکے اور اس کی بنیاد سوائے قیاساتِ فاسدہ کے اور کچھ نہیں۔ کبھی کہا گیا کہ فلاں غار سے ایک انسانی ڈھانچہ ملا ہے جو دس لاکھ سال پرانا ہے اس کے سر کی ساخت فلاں قسم کے بندر کی ساخت سے مشابہت رکھتی ہے۔ لہذا انسان بندر کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ پھر کہا گیا کہ اناٹمی کے ماہرین نے ثابت کیا ہے کہ انسانی جسم میں چند ایسے اعصاب ہیں جن کا اب کوئی مصرف نہیں اس سے ثابت ہوا کہ پہلے یہ جن اعضاء کو مصروفِ کار رکھتے تھے۔ وہ مختلف ارتقائی مدارج میں ناپید ہو گئے اور یہ اعصاب باقی رہ گئے۔ معلوم ہوا کہ کسی زمانہ میں انسان کی دم بھی تھی جو آہستہ آہستہ گھستی چلی

گئی اور یہ اعصاب باقی رہ گئے پھر یہ بھی کہا گیا کہ جب آب و ہوا کے اختلافات اور جغرافیائی اثرات کے باعث ایک براعظم کے انسان دوسرے براعظم سے کسی نہ کسی صورت مختلف ہیں تو انسان میں تدریجی اختلافات کا پایا جانا بعید از عقل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے دلائل عقل وفکر کے کسی معیار پر پورے نہیں اترتے اور نہ اس نظریہ کو سائنٹیفک کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت واقعی یہ ہے کہ ہر نوع کی تخلیق براہ راست ہوئی اور اس کے بعد ہر نوع میں ایسی خصوصیات رکھ دی گئیں اور ایسے خودکار انتظامات کر دیئے گئے کہ آگے اس نوع کی افزائش نسل خود بخود ہوتی جائے۔

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الرحمتہ جو تجدید واحیائے دین کے لئے تشریف لائے تھے۔ آپ نے بھی قرآن حکیم کی روشنی میں ڈارون کی تھیوری کو مسترد کر دیا ہے چنانچہ آپ سے اس مسئلہ پر سوال کیا گیا آپ نے اس کا جواب عطا فرمایا۔ سوال وجواب ملاحظہ ہوں۔

سوال: کیا حضور مسئلہ ارتقاء کے قائل ہیں؟ یعنی یہ کہ انسان نے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت میں ترقی کی ہے پہلے سانپ بچھو وغیرہ سے ترقی کرتے کرتے بندر بنا اور بندر سے انسان بنا اور روح کس وقت پیدا ہوئی؟

جواب: ہمارا یہ مذہب نہیں کہ انسان کس وقت بند تھا مگر آہستہ آہستہ دُم بھی کٹ گئی اور پشم بھی جاتی رہی اور ترقی کرتے انسان بن گیا۔ یہ ایک دعویٰ ہے جس کا بار ثبوت اس دعویٰ کے مدعی کے ذمے ہے چاہیے کہ کوئی ایسا بندر پیش کیا جاوے جو آہستہ آہستہ ترقی کرتے انسانی حالت میں آجاوے۔ ہم ایسے بے دلیل قصے کہانیوں پر کیونکر ایمان لا سکتے ہیں البتہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ آدم بہت سے گذرے ہیں مگر موجودہ حالات کے تحت جو ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ بندر سے انسان یا انسان سے بندر کبھی کسی نے پیدا ہوتے نہیں دیکھا ہوگا یہ تو ایک ناولوں کا قصہ ہے۔ ہمیشہ نوع سے نوع ہی پیدا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنا قانون ہماری آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے کہ گدھے سے گدھا، گھوڑے سے گھوڑا اور بندر سے بندر پیدا ہوتا ہے۔ اب اس کے خلاف جو کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ بندر سے انسان بھی پیدا ہوتا ہے اس کو اپنے دعویٰ کی دلیل بھی پیش کرنی چاہیے یہ کہہ دینا کہ شاید ایسا ہو گیا ہو۔ شاید کے کیا معنی؟

ہمارے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے ایک مشاہدہ دلیل کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ اس کے خلاف کہنے والوں کو کوئی بین دلیل پیش کرنی چاہیے ورنہ ظنّی باتوں اور صرف دعوؤں سے کوئی امر حجت نہیں ہو سکتا۔

(ملفوظات جلد پنجم ص675)

سورۃ المومنون کی مذکورہ بالا آیات میں خدا تعالیٰ نے پہلے انسان کے اخلاقی وروحانی اوصاف بیان کیے ہیں اس کے بعد انسانی پیدائش کے جسمانی مرحلے بیان فرمائے ہیں۔

غور کیا جائے تو جسمانی پیدائش اور روحانی پیدائش کے چھ چھ مرحلے ہیں ان کو مراتب ستہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔ پہلے ہم روحانی مراتب بیان کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱): خشوع (۲): لغو سے اعراض (۳): ادائیگی زکوٰۃ
(۴): نفسانی جذبات اور ممنوعہ شہوات سے بچاؤ
(۵): امانتوں کی ادائیگی وعدوں کی پاسداری
(۶): نمازوں کی حفاظت ونگہبانی

اس کے بعد جسمانی مراتب بیان فرمائے جو درج ذیل ہیں:

(۱): نطفہ قرار پانا (۲): علقہ لوتھڑا
(۳): مضغہ بوٹی (۴): عظام ہڈی
(۴): ہڈی پر گوشت چڑھانا
(۶): قالب میں جان پڑنا یا روح پھونکنا

ان جسمانی و روحانی مراتب ستہ پر غور کیا جائے تو ان میں عجیب

مطابقت اور مشابہت ہے جس سے قرآن کریم کا اعجاز نظر آتا ہے۔ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''براہین احمدیہ'' حصہ پنجم میں نہایت پر معارف اور تصوف کے اسلوب میں اس موضوع پر گفتگو فرمائی ہے۔ اور آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ قرآن حکیم اور حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک علمی معجزہ ہے جو اس طرح پہلے کسی آسمانی کتاب میں بیان نہیں ہوا چنانچہ حضرت اقدس لکھتے ہیں:

'' خدا تعالیٰ نے اس سورۃ کے ابتداء میں جو سورۃ المومنون ہے اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ کیونکر انسان مراتب ستہ کو طے کر کے جو اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں اپنے کمال روحانی اور جسمانی کو پہنچتا ہے۔ سو خدا نے دونوں قسم کی ترقیات کو چھ چھ مرتبہ پر تقسیم کیا ہے اور مرتبہ ششم کو کمال ترقی کا مرتبہ قرار دیا ہے اور یہ مطابقت روحانی جسمانی وجود کی ترقیات کی ایسے خارق عادت طور پر دکھلائی ہے کہ جب سے انسان پیدا ہوا ہے کبھی کسی انسان کے ذہن نے اس نکتہ معرفت کی طرف سبقت نہیں کی اور اگر کوئی دعویٰ کرے تو بارِ ثبوت اس کی گردن پر ہوگا کہ یہ پاک فلاسفی کسی انسان کی کتاب میں سے دکھلاوے اور یہ یاد رہے کہ وہ ایسا ہرگز ثابت نہیں کر سکے گا۔ پس بدیہی طور پر یہ معجزہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے وہ عمیق مناسبت جو روحانی و جسمانی وجود کے ان ترقیات میں ہے جو وجود کامل کے مرتبہ تک پیش آتے ہیں ان آیات مبارکہ میں ظاہر کر دی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ظاہری اور باطنی صنعت ایک ہی ہاتھ سے ظہور پذیر ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ بعض نادانوں نے یہ بھی اعتراض کیا تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے نطفہ کی حالت سے لے کر اخیر تک جسمانی وجود کا قرآن شریف میں نقشہ کھینچا ہے یہ نقشہ اس زمانہ کی جدید طبی تحقیقات کی رُو سے درست نہیں ہے لیکن یہ ان کی حماقت ہے کہ انہوں نے ان آیات کا یہ معنی سمجھ لیا کہ گویا خدا تعالیٰ رحم کے اندر انسانی وجود کو اس طرح بناتا ہے کہ پہلے بکلی ایک عضو سے فراغت کر لیتا ہے پھر دوسرا بناتا ہے۔ آیات الٰہیہ کا یہ منشا نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے بچشم خود ملاحظہ کر لیا ہے اور مضغہ سے لے کر ہر ایک حالت کے بچہ کو دیکھ لیا ہے۔ خالقِ حقیقی رحم کے اندر تمام اعضاء اندرونی اور بیرونی کو ایک ہی زمانہ میں بناتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں سب بنتے ہیں تاخیر تقدیم نہیں۔ البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے تمام وجود انسان کا ایک جما ہوا خون ہوتا ہے اور پھر سارے کا سارا ایک ہی وقت میں مضغہ بن جاتا ہے اور پھر ایک ہی وقت میں کچھ حصہ اس کا اپنے اپنے موقع پر ہڈیاں بن جاتا ہے اور پھر ایک ہی وقت میں اس تمام مجموعہ پر ایک زائد گوشت چڑھ جاتا ہے جو تمام بدن کی کھال کہلاتی ہے۔ جس سے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس مرتبہ پر جسمانی بناوٹ تمام ہو جاتی ہے اور پھر جان پڑ جاتی ہے۔ یہ وہ تمام حالتیں ہیں جو ہم نے بچشم خود دیکھ لی۔

مجدد صد چہاردہم مسیح محمدی امام الزمان حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے جسمانی و روحانی مراتب ستہ کو کلام الٰہی کا معجزہ قرار دیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جس انداز سے آپ نے اس مضمون کو بیان فرمایا یہ خاکسار راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ بلاشبہ حضرت مسیح موعود کی کرامت ہے کیونکہ اس سے پہلے اس انداز سے یہ مضمون کتب تفسیر اور کتب تصوف میں نظر سے نہیں گذرا۔ اس کو پڑھ کر جہاں ایک طرف کلام الٰہی پر ایمان تازہ ہو جاتا ہے وہاں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت اقدس واقعی امام العصر اور نائب رسول اور مہدی آخر الزمان ہیں اور آپ نے جو خزانے تقسیم کرنے تھے وہ یہی علوم قرآنیہ اور روحانی علوم کے خزانے تھے جو آپ کے قلم کے ذریعہ ہمیں عطا ہوئے اور درحقیقت یہ سارا فیض روحانی اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا فیض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کی برکت سے ایک مردِ مومن مہدی اور مسیح بن جاتا ہے اور خاتم الخلفاء اور امام الاولیاء بن جاتا ہے۔

☆☆☆☆

از: جناب خورشید عالم ترین صاحب

مقامِ محدثیت

یعنی

ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی

از سلطان القلم حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الرحمتہ

نوٹ: حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الرحمتہ نے ہر جگہ اپنے آپ کو امتی اور نبی یا ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی لکھا ہے۔ حقیقی نبی یا خالی امتی نبی کہیں نہیں لکھا۔ تشریح نیچے ملاحظہ فرمائیں۔ (خورشید)

(۱): خدا تعالیٰ ہمیشہ استعاروں سے کام لیتا ہے۔ اور طبع خاصیت اور استعداد کے لحاظ سے ایک کا نام دوسرے پر وارد کر دیتا ہے۔ جو ابراہیمؑ کے دل کے موافق دل رکھتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم ہے۔ اور جو عمر فاروقؓ کا دل رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک عمر فاروق ہے۔ کیا تم یہ حدیث نہیں پڑھتے کہ اگر اس امت میں بھی کوئی محدث ہیں جن سے اللہ کلام کرتا ہے تو وہ عمر ہے۔ اب کیا اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ محدثیت حضرت عمرؓ پر ختم ہوگئی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی روحانی حالت عمرؓ کی روحانی حالت کے موافق ہوگی۔ وہ ضرورت کے وقت محدث ہوگا۔ چنانچہ اس عاجز کو بھی ایک مرتبہ اس بارے میں الہام ہوا تھا: ''فیک مادة فاروقیه'' (فتح اسلام۔ص۹)

(پورا الہام یوں ہے انت محدث اللّٰہ فیک مادة فاروقیة ۔ اس کا ترجمہ خود حضرت مرزا صاحب نے یہ کیا ہے: ''تو محدث اللہ ہے۔ تجھ میں مادہ فاروقی ہے''۔ (تذکرہ۔ص۱۰۶ تا ۱۰۷)۔

(۲): اس باب میں رسول اللہ صلعم کی سنت اور آثار سے جو کچھ ثابت ہے۔ اس کے متعلق جان لے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے مرد پائے جاتے تھے جو گو نبی نہیں تھے، مگر اللہ تعالیٰ ان سے ہمکلام ہوتا تھا۔ ''پس اگر ان میں سے کوئی میری امت میں ہوگا تو عمرؓ یقیناً ان میں سے ہے'' (بخاری شریف) اور آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے پہلی امتوں میں محدث پائے جاتے تھے اور اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر بن خطابؓ ہیں۔ اور بخاری ''اور ہم نے تجھ سے پہلے نہ کوئی رسول بھیجا نہ نبی مگر جب بھی اس نے خواہش کی'' (الآیۃ) کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت درج ہے کہ آپ اس آیت کو اس شکل میں پڑھا کرتے تھے۔ ''من رسول ولا نبی ولا محدث'' اور تو اس کا تفصیلی ذکر فتح الباری میں پائے گا''۔ (حمامتہ البشریٰ۔ (ترجمہ از عربی)۔ص ۲۸۸ تا ۲۹۸۔ لاہور ایڈیشن)

(۳): ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو 'نبی' کر کے بیان کیا گیا ہے۔ مگر اس کو امتی کر کے بھی تو بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ خبر دی گئی ہے کہ اے امتی لوگو! وہ تم میں سے ہی ہوگا اور تمہارا امام ہوگا (حدیث نبویؐ کے الفاظ یہ ہیں و امامکم منکم (بخاری و مسلم) فامکم (مسلم) فامکم منکم (مسلم)۔ اور نہ صرف قولی طور پر اس کا امتی ہونا ظاہر کیا بلکہ فعلی طور پر بھی دکھلا دیا کہ امتی لوگوں کے موافق صرف قال اللہ اور قال الرسول کا پیرو ہوگا۔ اور حل مغلقات و معضلاتِ دین نبوت سے نہیں بلکہ اجتہاد سے کرے گا اور نماز دوسروں کے پیچھے پڑھے گا۔ اب ان تمام اشارات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوتِ تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہوگا۔ ہاں نبوت ناقصہ اس میں پائی جائے گی۔ جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے۔ اور نبوت تامہ کی شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی

ہے۔سو یہ بات کہ اس کو امتی بھی کہا اور نبی بھی۔اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے۔لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شان ''نبوت'' ہی رکھتا ہے۔غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہے۔اسی لئے خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی۔

(اسی ازالہ اوہام میں دوسری جگہ صاف لکھا ہے: ''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے''۔(ص ۴۲۱۔ویب ماسٹر)

اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب اسرائیلی نبی مسیح ابن مریم فوت ہو چکا اور پھر اس کے زندہ ہو جانے کا کہیں قرآن شریف میں ذکر نہیں۔تو بجز اس کے اور کیا سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ آنے والا ابن مریم اور ہی ہے۔بعض کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ قادر نہیں کہ مسیح ابن مریم کو زندہ کر کے بھیج دے۔میں کہتا ہوں کہ اگر صرف قدرت کو دیکھنا ہے اور نصوصِ قرآنیہ سے کچھ غرض نہیں تو ظاہر ہے کہ قدرت خدائے تعالیٰ کو دونوں طور سے متعلق ہے۔چاہے تو زندہ کر کے بھیج دے اور چاہے تو ہرگز زندہ نہ کرے اور دنیا میں نہ بھیجے اور دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں طور کی قدرتوں میں سے اس کی منشاء کے موافق کونسی قدر ہے۔سو ادنیٰ سوچ سے ظاہر ہوگا کہ یہ قدرت کہ جس کو ایک دفعہ مار دیا پھر خواہ نخواہ دو موتوں کا عذاب اس پر نازل کرے۔ہرگز اس کے منشاء کے موافق نہیں جیسا کہ وہ خود اس بارہ میں فرماتا ہے **فیمسک التی قضی علیھا الموت** (الزمر ۴۲:۳۹) یعنی جس کو ایک دفعہ مار دیا پھر اس کو دنیا میں نہیں بھیجے گا'' اور جیسا کہ صرف ایک موت کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے **لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ** یعنی اس میں کوئی موت نہیں چکھیں گے سوائے پہلی موت کے جو چکھ چکے (سورۃ الدخان ۵۶:۴۴۔ناقل) سو یہ بات اس کے سچے وعدہ کے برخلاف ہے کہ مردوں کو پھر دنیا میں بھیجنا شروع کر دیوے۔اور کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبین کے بعد کوئی اور نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آسکتا۔کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبرائیل ہے۔اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیے۔کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اس کو کہتے ہیں جس نے احکام وعقائد دین جبرائیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ چکی ہے۔کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی؟---

اے مولوی صاحبان!

فضولی کو چھوڑ دو۔اور مجھے کوئی ایک حدیث ہی ایسی دکھلاؤ کہ جو صحیح ہو اور وہ مسیح کا خاکی جسم کے ساتھ زندہ اٹھایا جانا اور اب تک آسمان پر زندہ ہونا ثابت کرتی ہو اور تواتر کی حد تک پہنچی ہو۔ہمارا دعویٰ مبنی بر نصوص بینہ قرآنیہ ہے اور اس کی تائید میں صحیح حدیثیں بھی ہمارے پاس ہیں۔اور ایسا ہی اقوال سلف وخلف بھی ہماری تائید میں کچھ تھوڑے نہیں اور الہامی شہادت ان سب کے علاوہ ہے۔

سو اب تم انصاف کے ترازو لے کر بیٹھ جاؤ

اور ایک پلہ میں اپنے خیالات رکھو اور دوسرے پلہ میں ہماری یہ سب وجوہات،اور آپ ہی انصاف کرلو،خوب سوچ لو کہ اگر ہمارے پاس صرف نصوص قرآن کریم ہی ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں۔اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا وہ یقین نور علی نور ہے۔جس سے عمداً انحراف ایک قسم کی بے ایمانی میں داخل ہے''۔

(ازالہ اوہام ص ۱۹۹۔۲۰۰ جدید آفسیٹ ایڈیشن)

(۴): پھر ہمیں تشریعی نبوت کا دعویٰ نہیں ہے۔ہمارا ایمان ہے کہ تشریعی نبوت آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی۔اب اسی شریعت کی خدمت بذریعہ الہامات، مکالمات، مخاطبات اور بذریعہ پیشگوئیوں کے کرنے کا ہمارا دعویٰ ہے۔

نبی بمعنی محدث

مجدد (الف ثانی) صاحب لکھتے ہیں کہ یہی خوابیں اور الہامات جو گاہ گاہ انسان کو ہوتے رہتے ہیں۔اگر کثرت سے کسی کو ہوں تو وہ محدث کہلاتا ہے''۔

(تقریر ۶ مارچ ۱۹۰۸ء ملفوظات جلد ۱۰ ص ۱۵۵)

(۵): اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔اس حدیث میں علمائے ربانی کو ایک طرف امتی کہا اور دوسری طرف نبیوں سے مشابہت دی''۔(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۳)

(۶): اصل میں ان کی اور ہماری نزاع لفظی ہے۔مکالمہ مخاطبہ کا تو یہ لوگ

خود بھی اقرار کرتے ہیں۔ مجدد (الف ثانی) صاحب بھی اس کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جن اولیاء اللہ کو کثرت سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے وہ محدث اور نبی کہلاتے ہیں۔ (اس بیان سے حضرت مرزا صاحب زمرہ اولیاء اللہ کا ہی فرد ثابت ہوتے ہیں۔ ویب ماسٹر) اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک انسان خدا تعالیٰ سے خبر پا کر دنیا پر ظاہر کرے تو اس کا نام آپ لوگ عربی زبان میں بجز نبی کے اور کیا تجویز کرتے ہیں؟ عجیب بات ہے کہ اسی لفظ کے مفہوم کو اگر اردو میں یا پنجابی میں بیان کیا جائے تو مان لیتے ہیں۔ اور اگر عربی زبان میں پیش کریں تو نفرت اور انکار کرتے ہیں۔ یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں پر ظاہر کر دوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تجدید دین کے واسطے تائید اور نصرت کے ساتھ تازہ نشانات دے کر بھیجا ہے۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے نہ بھیجا ہوتا تو یہ دین بھی اور دینوں کی طرح صرف قصے کہانیوں میں ہی محدود ہو جاتا''۔ (وفات سے ہفتہ بھر پہلے کی تقریر ۱۷ مئی ۱۹۰۸ء ملفوظات جلد ۱۰ ص ۴۲۱ تا ۴۲۲)

(۷): صاحب وحی محدثیت اپنے نبی متبوع کا پورا ہم رنگ اور بغیر نبوت اور تجدید احکام کے وہ سب باتیں اس کو دی جاتی ہیں جو نبی کو دی جاتی ہیں۔ اور یہ راہ امت کے لئے کھلی ہے۔ خدا تعالیٰ وعدہ کر چکا ہے کہ بجز مطہرین کے علم نبوت کسی کو نہیں دیا جائے گا''۔ (برکات الدعا۔ ص ۱۲)

(۸): اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تحدیث محض ایک موہبت ہے جو کسب سے ہرگز نہیں ملتی۔ جیسے کہ شان نبوت ہے (یہ جملہ قادیانی حضرات کے لئے قابل غور ہے۔ ویب ماسٹر) اور محدث اسی طرح اللہ سے ہمکلام ہوتے ہیں جس طرح نبی ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور محدث اسی طرح بھیجے جاتے ہیں جس طرح رسول بھیجے جاتے ہیں اور محدث اسی چشمہ سے پیتے ہیں جس سے نبی پیتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ نبی ہوتا۔ (دیکھئے یہاں صرف اقرار موجود ہے کہ نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہے۔ ویب ماسٹر) اور اس میں یہ سر ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے فاروقؓ کو محدث سے موسوم کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ اور یہاں سوائے اس کے اور کوئی اشارہ نہیں کہ محدث کے نفس میں کمالات نبوت جمع ہوتے ہیں۔ اور سوائے فرق ظاہر و باطن اور قوت اور فعل کے اور کوئی فرق نہیں۔ پس نبوت ایک درخت ہے جو خارج میں موجود ہے اور ثمر دار ہے اور اپنی حد کو پہنچنے والا ہے اور تحدیث مثل تخم کے ہے۔ جس میں وہ ساری باتیں بالقوۃ پائی جاتی ہیں جو شجر میں بالفعل پائی جاتی ہیں۔ اور بالخارج۔ اور یہ مثال ان لوگوں کے لئے واضح ہے جو دین کے معارف کے طلبگار ہیں۔ اور اس بات کی طرف رسول اللہ صلعم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں اور علماء سے مراد وہ محدث ہیں جن کو رب کی جانب سے علم دیا جاتا ہے اور مکلمین میں سے ہو جاتے ہیں۔ پس دیکھو! کہاں یہ بات اور کہاں ادعاء نبوت؟ اور اے برادر! مت گمان کرو کہ میں نے جو بات کہی ہے اس میں ادعائے نبوت کی کچھ بو پائی جاتی ہے۔ (حمامۃ البشریٰ ص ۸۳۔ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

(۹): اور بالآخر یاد رہے کہ اگر امتی کو جو محض پیروی آنحضرت صلعم سے درجہ وحی اور الہام اور نبوت کا پایا ہے۔ نبی کے نام کا اعزاز دیا جائے تو اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ وہ امتی ہے اور اس کا اپنا وجود کچھ نہیں۔ اور اس کا کمال نبی متبوع کا کمال ہے۔ اور صرف نبی نہیں کہلاتا، بلکہ نبی بھی اور امتی بھی۔ مگر کسی ایسے نبی کا دوبارہ آنا جو امتی نہیں ختم نبوت کے منافی ہے''۔

(چشمہ مسیحی۔ ص ۱۴۱ حاشیہ ۱۹۰۶ء)

نوٹ: بادی النظر میں ''پیروی'' کا لفظ دیکھ کر یہی تاثر ملتا ہے کہ شاید محدثیت اور نبوت کا حصول موہبت نہیں بلکہ اکتسابی ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔

حضرت مرزا صاحب دوسری جگہ مقاماتِ سیر و سلوک کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پہلی ترقی کہ جو قربت کے میدانوں میں چلنے کے لئے اول قدم ہے۔ اس آیت میں تعلیم کی گئی ہے۔ جو فرمایا (اھدنا الصراط المستقیم) کیونکہ ہر ایک قسم کی کجی اور بے راہی سے باز آ کر اور بالکل رو بخدا ہو کر، راہ راست کو

اختیار کرنا۔ یہ وہی سخت گھاٹی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں فناء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اور امور مالوفہ اور معتادہ کو یک لخت چھوڑ دینا، اور نفسانی خواہشوں کو جو ایک عمر سے عادت ہو چکی ہے۔ یک دفعہ ترک کرنا اور ہر ایک ننگ و ناموس اور عجب اور ریا سے منہ پھیر کر اور تمام ماسوا اللہ کو کالعدم سمجھ کر سیدھا خدا کی طرف رُخ کر لینا۔ حقیقت میں ایک ایسا کام ہے جو موت کے برابر ہے۔ اور یہ موت روحانی پیدائش کا مدار ہے۔ روحانی پیدائش کا جسم اسی فناء سے تیار ہوتا ہے۔ جوں جوں بندہ کا نفس شکست پکڑتا ہے۔ توں توں پیدائش روحانی کے اعضاء بنتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب فناءِ اتم حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وجود ثانی کی خلعت عطا کی جاتی ہے۔ اور (ثم انشانٰہ خلقًا اٰخر) کا وقت آ جاتا ہے۔ اسی حد تک اولیاء اللہ کی کوششیں اور سالکین کی محنتیں ختم ہو جاتی ہیں اور پھر بعد اس کے خاص مواہب سماوی ہیں۔ جن میں بشری کوششوں کو کچھ دخل نہیں۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجائبات سماوی کی سیر کرانے کے لئے غیبی سواری اور آسمانی براق عطا ہوتا ہے۔ اس حالت کا نام بقا ہے۔ کیونکہ سالک اس حالت میں اپنے تئیں ایسا پاتا ہے کہ گویا وہ مرا ہوا تھا اور اب زندہ ہو گیا۔ اسی مرتبہ میں سالک پر ہر ایک نعمت کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور عنایات الہیہ کامل طور پر متوجہ ہوتی ہیں۔

کشوف صادقہ سے متمتع ہوتا ہے۔ اور مخاطبات حضرت احدیت سے سرفرازی پاتا ہے اور عالم ثانی کے باریک بھیدوں سے مطلع کیا جاتا ہے اور علوم و معارف سے وافر حصہ دیا جاتا ہے''۔ (تفسیر سورۃ فاتحہ موسومہ۔ خزینۃ المعارف۔ ص ۶۱ تا ۶۲)

☆☆☆☆

انتقال پُر ملال

لاہور

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دِلی دُکھ ہوگا کہ ہماری جماعت کے عالم فاضل بزرگ محترم جناب قاضی عبدالاحد صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

مرحوم جماعت احمدیہ لاہور کا ستون اور سلسلہ کے لئے ایک ایسی روشن قندیل تھے جس کی روشنی میں نوجوان اپنی دینی خدمات کا رُخ متعین کرتے تھے۔

آپ حافظ قرآن تھے اور فارسی، عربی زبان اور علم حدیث پر مکمل عبور تھا اور اس علم کو احباب جماعت خصوصاً نوجوانوں میں منتقل کرنے کی دِلی تڑپ رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت مجدد زمان کی منشاء کے مطابق ہر قسم کی مشکلات برداشت کرتے ہوئے دین کو دنیا پر مقدم کیا۔

قاضی عبدالاحد صاحب دیوبند سے فارغ التحصیل تھے اور ساری زندگی دین کی خدمت میں گذاری۔ آپ کا حافظہ اس قدر بلا کا تھا کہ آپ کو پوری لائبریری کی کتب کی متعین جگہ زبانی یاد تھی۔ قرآن و حدیث کے ایک لفظ سے پورا حوالہ نکالنا ان ہی کا کام تھا۔ آپ نے انتہائی سادہ، نیک اور بردباری کی زندگی گذاری۔ ساری زندگی عبادت اور امامت میں گذاری۔ آپ پوری دارالسلام کالونی کے لئے مشعل راہ اور دعاؤں کا منبع تھے۔

قاضی صاحب اُن خوش نصیبوں میں سے ایک تھے جنہوں نے ساری عمر ایسی بے نظیر خدمت دین کی کہ وہ اُن کے لئے باعثِ شہادت بن گئی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

آپ کی زندگی کے حالات انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں شائع کئے جائیں گے۔

☆☆☆☆

درس قرآن ۔ ۱۸

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ”اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اپنے مددگاروں کو بلا لو سوائے اللہ کے اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے اپنا بچاؤ کر لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی۔ اور ان لوگوں کو خوشخبری دیدو جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے ہیں کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب کبھی ان کو ان میں سے کوئی پھل کا رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا۔ اور انہیں ملتا جلتا ہوا رزق دیا جائے گا اور ان کے لئے ان میں پاک ساتھی ہوں گے اور وہ انہی میں ہمیشہ رہیں گے“۔ (البقرۃ ۲۔ آیات ۲۳ تا ۲۵)

آج کی تین آیات میں سے پہلی آیت جس میں شک کرنے والوں کے اس شک کا جواب آسان مگر منہ توڑ دیا ہے کہ آیا قرآن کریم اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحی نازل ہوا یا نہیں اس پر مفصّل بحث میں نے پچھلے درس میں کی تھی۔ ایک شک اور ہے جو پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آیا قرآن حکیم کی تمام تعلیمات قابلِ عمل ہیں یا نہیں خصوصاً دنیا میں رَہ سہہ کر۔ اگر ایک شخص راہب بن گیا ہے یا نَن یا سادھو یا فقیر یا بھکشو تو اس کے لئے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اکثر دینی تعلیمات پر عمل کر سکے مگر دنیا کے جھگڑوں میں پڑ کر آیا قرآن کریم کی تمام تعلیمات پر عمل ہو سکتا ہے؟ اس کا بھی جواب اسی آیت میں لفظ عبدنا میں دے دیا جس میں رسول اللہ صلعم کو اپنا عبد کامل بتایا یعنی وہ بندہ جو عاجزی سے فرمانبرداری میں کامل تھا۔ حضورؐ نے قرآن حکیم کے تمام احکامات پر عمل کر کے دکھا دیا کہ وہ سب دنیا کے کام کاج کرنے کے باوجود جو حضور کرتے تھے آپ قرآن کریم پر سو فیصد عمل پیرا بھی تھے۔ حضورؐ پر جو دنیاوی ذمہ داریاں تھیں وہ کسی اور پر کیا ہونی ہیں؟ بطور خاوند، بطور باپ، بطور رشتہ دار، بطور روزی کمانے والے کے جو اکثر دنیاداروں کی مصروفیات ہوتی ہیں وہ حضور کی بھی تھیں۔ پھر بطور بادشاہِ وقت، بطور قانون ساز جس کا کام صبح سے لے کر شام تک تھا کہ شریعت کے احکام اور قوانین ایسے اعلیٰ دے کہ قیامت تک وہ قابل عمل اور مفید مطلب ہوں، بطور قاضی آپؐ کو مقدمات اور جھگڑے بھی چکانے پڑتے تھے، پھر میدان جنگ میں سپہ سالار کے بوجھل فرائض بھی حضورؐ کے ہی ذمہ تھے، کوئی بیمار ہو تو حضورؐ نے عیادت اور مزاج پرسی میں کبھی کمی نہیں کی، کوئی فوت ہوا ہے تو اس کے جنازہ میں شامل ہو رہے ہیں اور دین کے متعلق معلومات حاصل کرنے والے اور سوالات کرنے والے تو دن رات آتے تھے۔ الغرض انسان حیران ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے کس طرح یہ سب کام کئے۔ ان دنیاوی، ملکی اور قومی مصروفیات میں اور دنیا میں رہ کر حضورؐ نے قرآن کریم کے تمام احکامات پر بھی عمل کر کے دکھایا کہ وہ قابلِ عمل ہیں، اس حد تک کہ قرآن کریم نے حضورؐ کو یہ سرٹیفکیٹ دیا کہ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ۴: ۸۰) یعنی جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی بھی اطاعت کی' ادھر آپؐ کی وفات کے بعد جب کچھ نوجوان حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضورؐ کے اخلاق ہم کو سنائیں تو اس پاک خاتون نے جواب دیا کان خلقه القرآن یعنی آپ کے

اخلاق قرآن کی عملی تصویر تھے۔قرآن کو پڑھو۔یہی حضورؐ کے اخلاقِ عالیہ تھے۔تو وہ شک کہ دوسرے مذاہب کی بعض بظاہر خوب صورت تعلیمات دنیا میں رہ کر قابلِ عمل ثابت نہیں ہوئیں تو کیا قرآن کی تعلیمات کا بھی یہی حال ہے بے بنیاد ہے۔

ایک اور شک ہے جو بیسویں صدی میں آکر لوگوں کے دل میں بعض وقت پیدا ہوتا رہا بلکہ بعض وقت زبانوں پر بھی آجاتا کہ قرآن کی تعلیمات آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے کے حالات میں ٹھیک ہوں گی مگر آج قابلِ عمل نہیں۔تو اس کا جواب حضورؐ کے خلیفہ اور مجدد وقت اور مہدی دوراں یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے نمونہ سے دیا کہ قرآن اور سنت پر سو فیصدی عمل کر کے دکھادیا کہ وہ آج بھی اسی طرح قابلِ اطاعت ہیں جس طرح پہلے تھے اور آج بھی چل کر اس دہریت اور لامذہبی کے زمانہ میں حضرت مرزا صاحب نے خدا کو پالیا جو کہ انسان کا مقصد پیدائش ہے۔اور وحی والہام جو ہمیشہ سے خدا کو پانے کا ثبوت رہے ہیں مگر ہمیشہ سے لوگوں کے دلوں میں شک کا باعث ہوئے انہیں پاکر حضرت مرزا صاحب نے ان کی صداقت کا زبردست ثبوت دیا اور آپ نے بڑے زور وشور سے بار بار کہا کہ آج خدا کو پانا صرف قرآن اور سنت نبویؐ پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے اور دوسرے دینوں کو چیلنج دیا کہ تم بھی خدا سے ملانے کے دعویدار ہو مگر تم میں کوئی ہے جس نے واقعی خدا کو پایا ہے جیسا میں نے قرآن کریم اور سنت نبوی پر عمل کر کے پالیا مگر اس چیلنج کے جواب میں کوئی نہ بولا۔

اب ایک اور سیدھا سادہ مگر زبردست ثبوت قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا سنئے۔یہ چیلنج دینے کے بعد کہ اگر قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ نعوذ باللہ رسول اللہ نے خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کیا ہے تو یہ تو ایک اُمی انسان ہے،تو سارے جہان کے عالم و فاضل اور ادیب خواہ اُس زمانہ کے ہوں یا اس بیسویں صدی کے ہوں مل ملا کر ایک چھوٹی سی چھوٹی سورت (جو قرآن میں تین چار آیات کی ہیں) اس کی مثل لے آؤ۔تو یہ چیلنج دینے کے ساتھ ہی کیا زبردست پیشگوئی کی جو سوائے قادرِ مطلق اور عالم الغیب خدا کے کوئی نہیں کرسکتا تھا کہ ''اور اگر تم نہ کرسکو اور تم ہرگز،ہرگز نہ کرسکو گے''۔اللہ،اللہ کس تحدی اور شان کی مگر سیدھی سادی پیشگوئی ہے،جو ایک جاہل انسان اور ایک عالم و فاضل کو اس زمانہ میں اور آج بھی یہ یقینی شہادت دیتی ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب اور زبردست قدرتوں والا ہے۔اس کے سوا کسی کا نہیں۔نہ اس زمانہ میں،نہ آج کوئی اس پیشگوئی کو غلط ثابت کرسکتا ہے۔

تو ان آسان فہم مگر قطعی اور یقینی شہادتوں کے بعد اگر کوئی قرآن کے بارہ میں شک کرتا ہے تو فرمایا ''تو پھر تم اس آگ سے اپنا بچاؤ کر لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو انکار کرنے والوں یا ناشکر گذاروں کے لئے تیار کی گئی ہے''۔یہ پتھر اس آگ میں کیوں ہوں گے؟ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مشرکین عرب کے بُت ہوں گے۔تو بتوں کا کیا قصور اگر انسانوں نے انہیں گھڑ کر پوجنا شروع کر دیا؟ یا بُت توڑ کر چکنا چور کر دیئے تھے۔اس لئے یہ معنی غلط ہیں۔صحیح معنی دو اور ہیں اور مجھے دونوں پسند ہیں۔ حجارۃ عربی زبان میں جہاں پتھر کو کہتے ہیں وہاں پتھر دل انسان کو بھی کہتے ہیں۔اور ان معنوں میں یہ لفظ آگے آیا ہے۔اسی سورت بقرہ کی آیت ۷۴ میں یعنی ''پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہوگئے سو وہ پتھروں کی طرح ہوگئے بلکہ سختی میں اس سے بڑھ کر ہوگئے'' ہم خود اُردو زبان میں کہتے ہیں ''تو انسان ہے یا پتھر'' پھر عربی میں لفظ حجر ہیبت ناک انسان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔یہ وہ لیڈر تھے جو لوگوں میں اپنی ہیبت پھیلا کر حق سے روکتے یا حق کے خلاف جنگ و جدل کے لئے اکساتے تھے،بلکہ اب بھی ہوتے ہیں۔تو فرمایا کہ عوام الناس یا ان کے لیڈر خواہ مذہبی ہوں یا دنیاوی جو حق کی مخالفت میں بڑا حصہ لیتے ہیں وہ سب اس آگ کا ایندھن ہوں گے۔لفظ ایندھن میں بتایا ہے کہ دلوں میں حق

کی مخالفت ہو یا ہوس کی آگ بھڑکتی ہے وہی آنحضرت میں بھڑک کر جہنم کی آگ بن جائے گی۔ سورۃ الہمزہ ۱۰۴ میں آتا ہے ”اللہ کی جلائی ہوئی آگ اول تو دلوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ وہی ان پر بلند ستونوں میں بند کر دی جائے گی“ آج پتھر کے بُت پوجنے والے کم ہیں مگر ہوا و ہوس یعنی اپنے جذبات اور خواہشات کی عبادت یعنی فرمانبرداری کرنے والے وہ تمام لوگ ہیں جو خدا کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ جو خدا کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ پھر اپنے دل کے جذبات اور خواہشات کی کرے گی جن کی فطرت آگ ہے۔ یہی آگ پہلے انسانوں کے دلوں میں سلگتی یا ظاہر ہوتی ہے۔ بعد میں اسی دنیا میں جنگوں کی بمباری یا آخرت میں جہنم میں وہ بھڑک کر آگ کے ستون بن جائے گی۔ قرآن ہوا و ہوس کی آگ کو جو انسان کے اندر ہوتی ہے قابو میں لاکر مفید بنانے کو آیا تھا جیسا کہ انجن یا ہوائی جہاز یا راکٹ کی آگ قابو میں ہو تو مفید اور ترقیات کا باعث ہے۔ بے قابو ہو تو انسان کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ تو جو قرآن کو رڈ کر دے گا وہ پھر اپنی اس اندرونی آگ پر قابو نہ پا سکے گا جو بعد میں بھڑک کر جہنم کی آگ بن جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے جذبات اور خواہشات کے غلام ہیں ان کے دلوں کی حالت تو قرآن کے فقرہ ھل من مزید (اور، اور، اور، کی آگ، چاہے وہ دولت ہو یا اقتدار، یا شہوت) میں بخوبی بیان کی گئی ہے۔ اس کے برعکس جو اس قرآن پر ایمان لاکر تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی گناہوں اور بدیوں سے اپنے آپ کو روکتے اور اپنے نفس کو پاک کرتے ہیں ان کے دل میں ٹھنڈک اور اطمینان قلب پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا ”جو اس وقت سے خوف کرتا ہے جب وہ اپنے رب کے آگے جوابدہی کے لئے کھڑا ہوگا دو جنتیں ہیں“ اب ظاہری جنت تو اکثر متقیوں کو اس دنیا میں نہیں ملتی۔ مگر جو چیز ضرور مل جاتی ہے وہ دل کی جنت اور اطمینان قلب ہے۔ مرنے کے بعد وہ ظاہری جنت میں بھی ہوگا۔ آج کل کے نوجوان جو مغرب زدہ ہیں وہ دل کی جنت کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ اگر انسان کے دل میں اطمینان اور بے فکری ہے تو وہ جنت میں ہے چاہے باہر باغ اور نہریں نہ ہوں۔ مگر جس کے دل میں جہنم کی آگ بھڑک رہی ہو وہ اسی دنیا میں جہنم میں ہے چاہے باہر باغ اور نہریں ہوں۔ آج کی آخری آیت میں یہی خوشخبری دی ہے ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ لفظ ایمان خود امن سے ہے جس کے معنی انسان کے قلب کا اطمینان پا جانا ہے اور لفظ جنت کے معنی ہیں وہ چیز جو ظاہری حواس سے مخفی ہو تو یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ قرآن پر ایمان لاکر عمل صالحہ کرنے سے انسان کے دل میں جنت پیدا ہو جاتی ہے جو ظاہری حواس سے مخفی ہوتی ہے مگر دراصل اس انسان کو اسی دنیا میں جنت میں داخل کر دیتی ہے جو مرنے کے بعد ظاہری جنت کی شکل اختیار کرلے گی۔ پھر فرمایا کہ جب کبھی ان کو کوئی پھل کا رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا ہے یعنی جن کے دل میں اس دنیا میں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں وہ اپنے ایمان اور اعمال صالحہ سے وہ روحانی لذتیں پاتے ہیں جو اگلے جہان میں ان پھلوں کی ہوں گی اسی لئے وہ کہیں گے یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے بھی مل چکا ہے۔ اسی مشابہت کی وجہ سے فرمایا: ”اس دنیا کی روحانی لذتیں اگلے جہان کے پھلوں کی شکل اختیار کر کے انہیں دی جائیں گی“ پھر کہوں گا کہ روحانی لذت کی حقارت نہ کریں۔ دراصل تمام لذتیں ہیں ہی روحانی۔ اسی لئے جب آدمی مرجاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے تو ہزار حلوے اس کے منہ میں رکھو اسے کوئی لذت نہیں آئے گی یا ہزار عمدہ موسیقی کے نغمے سناؤ اس کو کوئی احساس نہ ہوگا۔ اس لئے جسم انسان محض ذریعہ ہے جس سے روح انسانی لذت یا دکھ پاتی ہے۔ ورنہ تمام لذات اور دکھوں کو محسوس کرنے والی چیز روح انسانی ہے۔ اگر روح سُکھی ہے تو انسان سُکھی ہوتا ہے۔ روح دکھی ہو تو انسان دُکھی ہوتا ہے۔ ایک ایماندار انسان ممکن ہے بھوکا سوئے اور ایک بے ایمان

شخص کے میز پر ہزاروں نعمتیں ہوسکتی ہیں مگر ایماندار کے دل کی بے فکری جنت ہے اور بے ایمان کے دل کا فکر اور خطرہ جہنم ہے۔ ظاہری سامان اور جسمانی نعمتیں ہوں یا نہ ہوں انسان کا اصل سکھ اس کی روحانی لذت پر منحصر ہوتا ہے۔

آگے دو چیزوں کا ذکر فرمایا پاکیزہ بیوی (یا شوہر) کا وہاں ساتھ ہوگا اور انسان جنت میں ہمیشہ رہے گا۔ انسان اکیلا ہوتو بھی مزہ نہیں اور بہترین جوڑا مرد وعورت کا ہی ہے کہ ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے ہیں اور محبت والفت اور تسکین مرد وعورت کے ساتھ میں ہی ہے کہ مگر جوڑا موجود ہونا خالی کافی نہیں۔ فرمایا پاکیزہ جوڑا ہوگا۔ اگر کسی مرد کی عورت ناپاک یا بدچلن ہوتو وہ کتنی بھی خوبصورت ہو وہ بجائے باعثِ راحت ہونے کے باعثِ عذاب بن جاتی ہے۔ اسی طرح مرد ناپاک اور بدچلن ہوتو وہ کتنا ہی خوبصورت اور دلکش ہو عورت کی زندگی حرام ہوجاتی ہے اور وہ ہر وقت کے جہنم میں ہوتی ہے۔ دوسری بات ہیشگی ہے۔ دنیا کے کتنے ہی باغ عمدہ ہوں مگر اگر عارضی قیام ہوتو مزہ کرکرا ہوجاتا ہے۔

آخری بات یہ عرض کروں کہ نیک اور متقی انسان کا دِل جنت میں ہوتا ہے اور اس کے اعمال سے دوسروں یعنی مخلوق خدا کی بھلائی اور فیض کی نہریں بہتی ہیں۔ یہ بھی اس دنیا کی جنتِ تجری من تحتھا الانھار کا نقشہ ہے۔ آخرت میں دل کی جنت باہر کے باغ بن جائیں گی اور فیض یا فائدہ جو ان مومنوں نے دوسروں کو پہنچایا وہ نہریں بن کر اس کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی۔

درس قرآن پر ایک سوال

جناب محمد اسلم رانا صاحب ''مرکز تحقیق مسیحیت'' شاہدرہ (لاہور) نے مندرجہ ذیل تحریر اس وقت لکھ کر بھیجی جب میاں نصیر احمد صاحب ''درس قرآن'' دیا کرتے تھے۔ بمع جواب شائع کی جاتی ہے۔

میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کے درس قرآن کا ''پیغام صلح'' میں باقاعدگی کے ساتھ چھپنا قرآنی علوم کے طلبہ کے لئے روح افزاء ہے۔ اس درس کی ۱۸ ویں قسط پیغام صلح میں چھپی ہے۔ موصوف سورۃ بقرہ کی ۲۳ ویں آیت میں مذکور جہنم کی آگ میں جلنے والے پتھروں کی تفسیر میں رقم طرا ہیں۔

''یہ پتھر اس آگ میں کیوں ہوں گے؟ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مشرکین عرب کے بُت ہوں گے، تو بتوں کا کیا قصور اگر انسانوں نے انہیں گھڑ کر پوجنا شروع کر دیا؟ یا بُت اگلے جہان میں کہاں ہوں گے؟ اور بہر حال فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب بُت توڑ کر چکنا چور کر دیئے تھے۔ اس لئے یہ معنی غلط ہے''۔

اس ضمن میں گذارش ہے کہ مفسرین کا ان پتھروں سے عرب اور دیگر اقوام کے بُت مراد لینا بھی درست ہے کیونکہ جب مشرکین کے ساتھ جہنم کی آگ میں انکے معبود بھی جلیں گے تو ان معبودوں کی ذلالت اور بے وقعتی اور انبیاء کرام کی تعلیم کی عملی تشریح دیکھنا بھی ان کے لئے سواہانِ روح اور ذہنی اذیت کا باعث اور یوں ایک گونہ عذاب ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ ''یہ بُت اگلے جہان میں کہاں ہوں گے وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن توڑ کر چکنا چور کر دیئے تھے'' تو جو قادر خدا تعالیٰ قیامت کے دن انسانوں کی چورا اور مٹی ہڈیوں سے پھر انہیں زندہ کھڑا کر دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس کے لئے ''چکنا چور'' پتھروں کے ٹکڑے ٹکڑے سوال و جواب اور عذاب کے لئے بُتوں کو پھر سے بنا سنوار دینا اس کے حضور کیا مشکل ہے؟ اور قیامت کے دن ایسا ہونے کا بیان کلام حکیم میں صاف اور واشگاف الفاظ میں مذکور ہے۔ سورۃ الفرقان میں فرمان خداوندی ہے ویوم یحشرھم وما یعبدون من دون اللہ (مکمل مکالمہ کے لئے دیکھیں سورۃ الفرقان آیات ۱۷۔۱۸۔۱۹) اور جس دن وہ انہیں اکٹھا کرے گا اور ان کو بھی جس کی وہ اللہ کے سوائے بندگی کرتے ہیں''

امید ہے کہ یہ چند سطور پیغام صلح کی وساطت سے قارئین کرام تک پہنچ جائیں گی اور وہ صحیح صورت حال سے واقف ہو سکیں گے“

جواب منجانب نصیر احمد فاروقی

محترم جناب محمد اسلم رانا صاحب کے تبصرہ نے مندرجہ ذیل باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے:

(۱): آیات ۲۳، ۲۴ (سورۃ بقرہ) میں قرآن حکیم کے بارہ میں شک کرنے والوں کو یہ چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا نازل شدہ نہیں بلکہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم نے خود گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے (یعنی یہ انسانی کلام ہے) تو تم بھی تو انسان ہو بلکہ دنیاوی علوم میں بہت بڑھ چڑھ کر ہو تم بھی اس جیسی ایک سورت ہی گھڑ کر لے آؤ، چاہے اس کے لئے تمام دنیا کے مددگاروں کو بلا لو“ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تم نہ کر سکو گے تو اس آگ سے اپنا بچاؤ کر لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے“

اب یہاں صاف ذکر ان لوگوں کا ہے جو قرآن کریم کو منجانب اللہ نہیں مانتے، بُت پرست مشرکوں کا نہیں۔

(۲): پھر بھی اس کی تفسیر کرنی کہ وہ مشرکوں کے بُت ہوں گے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے اس میں نقص یہ ہے کہ بے جان پتھروں کا کیا قصور ہے اگر انہیں انسان نے گھڑ کر پوجنا شروع کر دیا؟ بلا قصور ان پتھروں کو آگ میں ڈالنا جس کا یہاں بطور سزا ذکر ہے، میرے دل کو تو صحیح تفسیر نہیں معلوم دیتی۔

(۳): اوّل مخاطب اہلِ عرب تھے اور ان کے پتھر کے بتوں کو تو رسول اللہ صلعم نے فتح مکہ کے وقت توڑ کر چکنا چور کر دیا تھا۔ یہ کہنا کہ وہ دوسرے مشرکوں کے بُت ہوں گے؟ اور مشرکین عرب کے لئے بطور سوہان روح و اذیت ان کے ساتھ آگ میں ڈالے جائیں گے، ان مشرکین عرب کے لئے کیسے سوہان روح ہو سکتے ہیں؟ بلکہ وہ تو یہ فخر کر سکیں گے کہ ہمارے دیوتا اچھے تھے جو اس آگ سے بچ گئے۔ دوسروں کے دیوتا سچے نہ تھے اس لئے آگ میں ڈالے گئے جبکہ ہمارے بُت (جنہیں بقول محمد اسلم رانا صاحب اللہ تعالیٰ چکنا چور کیا جانے کے باوجود جوڑ توڑ کر دوبارہ وجود میں لا سکتا تھا) سچے تھے تبھی اس آگ سے بچ گئے۔ سورۃ الفرقان کا جو حوالہ رانا صاحب نے دیا ہے وہاں بے شک معبودان باطلہ کا ذکر ہے مگر میں اپنے درسوں میں واضح کر آیا ہوں کہ عبادت کے معنی فرمانبرداری کے ہیں نماز کے لئے لفظ صلوٰۃ قرآن حکیم میں آتا ہے سو مایعبدون من دون اللہ کے معنی وہ مذہبی یا قومی لیڈر ہیں جن کی لوگ اللہ کو چھوڑ کر فرمانبرداری کرتے ہیں۔ وہ گمراہ کرنے والے لیڈر ضرور دوبارہ زندہ کر کے سزایاب ہوں گے۔

(۴): بہرحال سورۃ بقرہ کی زیرِ غور آیات مبارکہ میں ذکر شرک کا نہیں (جو بُتوں کو بیچ میں لایا جائے) بلکہ قرآن کریم کو منجانب اللہ نہ سمجھنے کا ہے۔

(۵): اس لئے میری تفسیر نہ صرف بہتر ہے بلکہ وہی صحیح ہے کہ یہاں پتھروں سے مراد پتھر دل لوگ یا دوسرے مذاہب کے لیڈروں (خواہ وہ مذہبی رہنما ہوں یا متشرقین ہوں جنہوں نے قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر اعتراض کر کے اپنے عوام کو گمراہ کرنے میں نمایاں حصہ لیا) ان سے ہے۔ اس تفسیر کی تائید میں لغت کی تائید میں نے اپنے درس مذکورہ بالا میں دی تھی۔

امید ہے کہ محترم محمد اسلم رانا صاحب مجھ سے اتفاق کریں گے۔

خاکسار

نصیر احمد فاروقی

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام ۔۵۔ عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

محمد صالح نور مرحوم و مغفور، کراچی

''پیغام صلح'' سے خطاب

تُو آیا ہے تو پُر رونق ہوئی ہے زندگی اپنی
کہ تیرے ہجر میں سُونی رہی ہے زندگی اپنی

کبھی تجھ میں لکھوں گا ہم پہ ماضی میں جو گذری ہے
تیرے صفحات سے روشن رہی ہے زندگی اپنی

ہزاروں آندھیاں آئیں بہت طوفان گذرے ہیں
دعاؤں سے ہمیں واپس ملی ہے زندگی اپنی

ہم اپنے آپ کو ہر رنگ میں خوش بخت سمجھیں گے
تجھے ہم زندگی دیدیں، یہی ہے زندگی اپنی

جہاں تجھ کو ضرورت ہو وہاں یہ جان حاضر ہے
بھلا تجھ سے کوئی ہم کو بھلی ہے زندگی اپنی

نہ آنے دیں گے اپنے پائے استقلال میں لرزش
کہ اِک جُہدِ مسلسل میں کٹی ہے زندگی اپنی

ہمارے دن بسر ہوں گر تیری خدمت گذاری میں
تو سمجھیں گے کہ جنت میں کٹی ہے زندگی اپنی

اگر کچھ روز باقی ہیں سو تیرے نام کرتا ہوں
تجھے لگ جائے جتنی بھی رہی ہے زندگی اپنی

میرے احباب کو یہ میرا اک پیغام دیدینا
دعاؤں میں جو گذرے بس وہی ہے زندگی اپنی

یہ کبھی سوچا نہ تھا

از: ملک بشیر اللہ خان راسخ

(''پاکستان پیارا پاکستان'' اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے ہی چراغ سے)

ہر قسم کے فتنہ، فساد، شر، آفات، بلیات سے محفوظ رہنے کا ہتھیار صرف ''دعا'' ہے

سر بریدہ رات ہوگی یہ کبھی سوچا نہ تھا
آدمی کو مات ہوگی یہ کبھی سوچا نہ تھا

قاتلوں نے لکھ کے بھیجا موت کا سہرا مجھے
ایسی بھی سوغات ہوگی یہ کبھی سوچا نہ تھا

مسخ لاشیں دیکھ کر آنکھیں میری پتھرا گئیں
موت کی بارات ہوگی یہ کبھی سوچا نہ تھا

عقرب و افعی بھی شاید چھوڑ دیں اس دیس کو
زہر کی برسات ہوگی یہ کبھی سوچا نہ تھا

دیس میں آکر درندوں نے بسیرا کرلیا
خون کی خیرات ہوگی یہ کبھی سوچا نہ تھا

وقت ایسا بھی کبھی آجائے گا راسخ یہاں
ذات کی ہر بات ہوگی یہ کبھی سوچا نہ تھا

☆☆☆☆☆